کتاب

مشقِ نفیس

اصلاحِ انیس

(شرح و مؤلفہ) حضرت مہذب مدظلہ (ممتاز الافاضل)



حضرت انیس مرحوم

١

انجمن محافظِ اردو (کل ہند) کی اکیسویں خدمت

اور

سِلسلۂ اشاعت کی انیسویں کڑی

مرثیۂ نفیسؒ

اور

اصلاحِ انیسؒ

مُرتبہ و مُصنفہ
صدر انجمن محافظِ اردو
حضرت مہذب مدظلہٗ

قیمت
صرف دو روپیہ
۲/

ناشر:- سکریٹری (معتمد) انجمن محافظِ اردو
منصور نگر نیا محل لکھنؤ

باسمہٖ سبحانہٗ

میں بحیثیت صدر انجمن محافظ اُردو آل انڈیا، اس ناچیز خدمت (یعنی تشریحات اصلاحات حضرت انیس رحمۃ اللہ کو فاضل جلیل و عالم نبیل مولانا ابو الکلام آزاد وزیر محکمۂ تعلیمات گورنمنٹ آف انڈیا کے نام نامی سے معنون کرنے کا شرف صرف اس لیے حاصل کرتا ہوں کہ یہ ہستی ہندوستان کی دنیا میں علم و ادب کی روح رواں ہے۔

نصیر طالب
مہذب لکھنوی
ستمبر ۵۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصلاحِ حیات

آپ کو دیکھا محبت ہو گئی
بات سنتے تھے حقیقت ہو گئی

دنیا کی ترقی کا حقیقی راز علوم و فنون کی ایجاد ہے۔ انسان نے اپنے خاکی پیکر میں رہتے ہوئے اس چار روزہ زندگی میں روحانی اور جسمانی کمالات کا بڑے سے بڑا مظاہرہ کیا ہے۔ ایک دورِ حیات انسان وہ تھا جب عنصرِ حیوانیت ایسا غالب تھا کہ اپنے جسم کے چھپانے پر کسی نو ایجاد شے کے سہارے قادر نہ تھا۔ ایک دورِ زندگی ایسا آیا کہ لباس کے ذریعے انسان انسانی جامے میں نظر آنے لگا۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ عقل پر پڑے ہوئے پردے تدریجی حیثیت سے اٹھتے نظر آنے لگے۔ انسان نے اپنے ذریعۂ حیات یعنی اکل و شرب کے طریقوں میں تزئینات کا بیڑا اٹھا لیا اور آج ارتقا کی وہ منزل نظر آنے لگی جہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ اسی طرح علوم و فنون میں رہبرِ باطنی (عقل) کے سہارے اتنا آگے بڑھا کہ انسان ملک کے ہم دوش نظر آنے لگا خدا کی دی ہوئی اس نعمت کا جس نے اشرف المخلوقات کی سند دلوا دی۔ صحیح مصرف منظرِ عام پر آگیا یعنی علم و فن کے کمالات بذریعۂ عقل آخری منزل پر آگئے۔

علوم و فنون کے اقسام لاتعداد ہیں جن کا تذکرہ اس مقام پر بے محل ہے منجملہ فنون ایک فن شاعری ہے۔ جو انسانی زندگی کے لیے شاہکار مشغلہ ہے۔ ملک عرب میں ایسے ایسے شاعر گزرے جن کے کارنامے صفحہ ہستی سے محو ہونے کے قابل نہیں۔ ایران کے نازک خیال شعرا نے تمام دنیا پر اپنا سکہ جما دیا۔

ملک ہندوستان وہ خوش نصیب ملک ہے جہاں دو زبانوں کے شعرا نے خدا کی دی ہوئی طباعی کا صفحہ قرطاس پر ایسا مظاہرہ کیا جو قیامت تک انقلاب کے ہاتھوں فنا کا منھ نہیں دیکھ سکتا۔

ایک زبان ہندی۔ اس زبان کے شعرا نے ایسی نازک خیالی سے کام لیا ہے جس کا جواب دوسری زبانوں میں ملنا ناممکن

دوسری زبان اُردو جس کی عمر بہ نسبت دوسری زبانوں کے بہت کم ہے۔ مگر اللہ کیا برکت ہے کہ اتنی کم عمر میں اتنے شعرا پیدا کیے کہ جن کا شمار ایک بڑے محاسب کے لیے محال نہیں تو ناممکن ضرور ہے۔ اردو شاعروں کے اقسام ہیں۔ بعض شعرا نے صرف غزل گوئی اپنا نقطۂ نظر بنالی تھی۔ اور تمام عمر اس فن لطیف میں گزار دی۔ ان کے کمالات کے نمونے صفحۂ ہستی سے کبھی محو نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح قصیدہ گو مثنوی گو ایسے ایسے شعرا دنیا کو خیرباد کہہ کے چلے گئے جن کا جواب آج تک دنیا پیدا نہ کر سکی۔ اسی فن لطیف کی ایک قسم شاہکار مرثیہ گوئی ہے یہی وہ صنف ہے جو دیگر اصناف شاعری سے اس لیے ممتاز ہے کہ اس صنف میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر جس بسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی دوسری صنف یعنی (غزل و قصیدہ) میں ملنا ممکن ہی نہیں۔

مرثیہ گوئی کا تعلق ایک خاص واقعے سے ہے یعنی حسینؑ اور حسینی کارنامے - اردو زبان جب سے معرضِ وجود میں آئی - تقریباً اس وقت سے مرثیہ گوئی کی ابتدا کا بھی پتہ چلتا ہے ہر عہد اور ہر زمانے میں مرثیہ گوئی صنعت روز افزوں ترقی ہی کرتی نظر آتی ہے سودا اور میر کے قبل بھی مرثیہ گو گزرے ہیں - میر و سودا کی مرثیہ گوئی کا طرز کچھ اور تھا. چار مصرعوں کے بند ہوا کرتے تھے - ان کے بعد ایسا دور آیا کہ چھ مصرعوں کا بند قرار دیا گیا یہ سب صورتیں حضرت انیس کے قبل معرض وجود میں آچکی تھیں زمین شعر و سخن ہموار ہو چکی تھی - عہد انیس اور ہمعصران انیس یعنی عشق و دبیر و تعشق سے قبل والے شعرا نے مرثیے کے وہ حدود قائم کر دیئے تھے جو آج تک قائم ہیں -

ان حضرات کی طباعی نے ان حدود میں چار چاند لگا دیئے - اتنا ضرور ہوا کہ ان سے پہلے والے غیر مردف بیت اکثر کہا کرتے تھے ان حضرات نے مردف بیت کا لزوم کر لیا تھا. یہ ماننا پڑے گا کہ ان حضرات نے بہت کچھ ترمیم اور اضافے سے کام لیا - خداداد طباعی نے توڑ نکے بجا دیئے اور دنیا کو اس کہنے پر مجبور کر دیا کہ ان کے قبل اور ان کے بعد والے ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں -

قصیدہ گوئی ہو یا غزل گوئی - مثنوی گوئی ہو یا مرثیہ گوئی - یہ کہنا کہ شاعر فطری ہوتا ہے اپنی جگہ پر بالکل درست ہے لیکن صاحب فن یا باکمال ہونے کے لیے فطرت کی قید بے محل بلکہ زائد ہے - صاحب فن ہونے کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے - علم کسب مطالعہ عروض قافیہ - اصلاح -

سب سے زیادہ اصلاح کی ضرورت ہے - یعنی عام اس سے کہ خاندانی ہو یا غیر خاندانی

پہلی نظم سے کسی نہ کسی اُستاد کی حاجت ضرور ہوتی ہے۔ اگر کوئی اصلاح نہیں لیتا اور نام پیدا کر لیتا ہے اور عیوب پائے جاتے ہیں۔ تو اہل فن بے گُرا کہتے ہیں۔ یہ طے ہے کہ کسی قدر قابل و فاضل عالم جید کیوں نہ ہو اگر فن شعر و سخن میں کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں کیا ہے تو عمر بھر قدم قدم پر لغزشیں ضروری ہیں۔

اسی وجہ سے سلسلۂ استادی و شاگردی مرثیہ گویوں کے خاندان میں برابر چلا آتا ہے۔ ہر استاد پہلے مبتدی ضرور تھا۔ چنانچہ تعشق ہوں کہ انیسؔ عشقؔ ہوں کہ دبیر سب نے ابتدا میں اصلاح لی بلکہ جب تک اصلاح دینے والا زندہ رہا باکمال ہو جانے پر مرثیہ دکھانا اپنا فخر سمجھتے رہے۔ یہی سلسلہ آج تک جاری رہا ہے۔

پیش نظر جلد کا مرثیہ۔ حضرت نفیسؔ کا ابتدائی عمر کا مرثیہ ہے جس کو باپ نے یعنی حضرت انیسؔ نے اصلاح سے مزین فرمایا ہے۔ اس کی کوشش فرمائی ہے کہ مرثیہ ہر حیثیت سے بے عیب ہو جائے اور ایسا ہی ہوا۔ اصل مرثیہ اور اصلاح کو دیکھنے سے ترقی کے منازل سمجھ میں آتے ہیں

(طریقۂ اصلاح)

متقدمین کا طریقہ یہ تھا کہ مبتدی شاگرد ہو یا فرزند یا عزیز۔ جب کلام سامنے آتا تھا تو پوری توجہ کلام پر مبذول کر دیتے تھے کیونکہ مبتدی کا کلام ہے۔ اغلاط کافی ہیں کوئی بات نہ رہ جائے۔ یہ اس لیے کہ اگر کسی کے کلام میں کوئی غلطی پائی جاتی تھی تو معلوم کیا جاتا تھا کہ کس سے اصلاح لیتے ہیں۔ دریافت ہونے پر وہ غلطی استاد کی جانب منسوب کر دی جاتی تھی۔

ایک شعر یا ایک بند میں بہت سی چیزیں بیک وقت پیش نظر رکھ کے اصلاح دیتے تھے (۱) یہ کہ مصرع موزوں ہی یا نہیں یعنی مقررہ بحروں سے مصرع الگ تو نہیں ہی۔ یا جس بحر میں نظم ہی۔ کوئی حرف تو تقطیع میں نہیں گر رہا ہی۔ اگر کوئی حرف گر رہا ہی تو اس کا گرنا جائز ہی یا نہیں (۲) جس مفہوم کو ادا کیا گیا ہی وہ ادا ہو گیا یا نہیں۔ مفہوم یا تخئیل مناسب ہی یا نہیں۔ کسی کا سرقہ تو نہیں ہی۔ اگر توارد ہی تو توارد مقبول ہی یا غیر مقبول۔ (۳) نشست الفاظ یعنی الفاظ مناسب و برمحل ہیں۔ تعقید تو نہیں ہی۔ الفاظ سخت اور ایسے تو نہیں ہیں جنھیں نزاکت زبان اردو قبول نہ کر رہی ہو۔

(ایک واقعہ)

حضرت مودب رحمۃ اللہ ایک دن اپنے چچا اور استاد حضرت رشید رحمۃ اللہ کو بغرض اصلاح مرثیہ سنا رہے تھے۔ ایک محل پر (ماحول) کا لفظ نظم تھا۔ بس حضرت رشید کی تیوریوں پر بل آگیا فرمایا کہ عسکری تم نے غضب کیا اتنا بڑا لفظ صرف کر دیا۔ زبان اس کی متحمل نہیں۔ عربی مدرسے کا اثر تم پر پڑ گیا۔ اس لفظ کو نکال دو۔ (۴) قوافی کی دیکھ بھال یعنی قافیے صحیح ہیں ایطا تو نہیں ہی۔ قافیہ غیر مانوس تو نہیں ہی۔ (۵) ردیف کو دیکھتے تھے کہ بیکار اور زائد تو نہیں ہی۔ کیونکہ اکثر و بیشتر مطلع میں ایک ردیف زائد ہو جایا کرتی ہی۔ یہ بھی منجملۂ عیوب ہی (۶) جو واقعہ یا منظر نظم کیا گیا ہی اس میں بے ربطی تو نہیں ہی۔ الفاظ واقعہ کی تصویر کشی کر رہے ہیں یا نہیں۔ (۷) الفاظ کی ترکیب صحیح ہی۔ اردو اور فارسی یا عربی لفظ کی ترکیب تو نہیں ہی اس لیے کہ لفظ کی جانچ کہ فلاں معنی میں اردو ہی یا فارسی ذرا دشوار چیز ہی

بعض اساتذہ کو خود دعویٰ کا ہو گیا ہے مثلاً (شادی قائم) یہ ترکیب بمعنی عقد جناب قاسم کسی طرح صحیح نہیں۔ بظاہر ترکیب صحیح ہے۔ لیکن حقیقتاً صحیح نہیں کیونکہ شادی بمعنی خوشی فارسی زبان میں بولا جاتا ہے نہ بمعنی عقد۔ عقد کے معنی میں اہل ہند بولتے ہیں۔ لہذا بمعنی عقد اردو ہوا۔ جب اردو ہوا تو ترکیب غلط (۸) شتر گربہ یہ بھی منجملہ عیوب کے اس کی دیکھ بھال بھی استاد پر فرض ہے۔ جیسے ایک مصرع میں ہم دوسرے میں (میں) ایک میں (تم) دوسرے مصرع میں (آپ) یا (تو) اس کی دیکھ بھال وہی اساتذہ کرتے ہیں جو شتر گربہ کو عیب سمجھتے ہیں۔

(تتمہ)

ان تمام عیوب متذکرہ کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت انیس رحمۃ اللہ نے حضرت نفیس کے مرثیہ پر اصلاح فرمائی ہے۔ جس کی جا بجا تشریح مجھ ایسے بے بضاعت نے صرف اس غرض سے کی ہے کہ ان حضرات کو جنہیں فن سے کوئی تعلق نہیں اس کتاب کے مطالعہ سے کسی قدر فائدہ پہنچ سکے ہر اصلاح کی تشریح۔ مکمل اس لیے نہ ہو سکی کہ مقررہ صفحات میں گنجائش نہ تھی بخدا یہ تشریح اظہار کمال کے لیے نہیں کی۔ جہاں جہاں لغزشیں ہوں۔ صاحبان فہم چشم پوشی فرمائیں اور بذریعہ تحریر مجھ مبتدی کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ عوام کو صحیح مطلب سے مطلع کر سکوں۔

اتفاق سے میرا بچہ جس کا تخلص مقرب سلمہ ہے سخت بیمار رہی۔ اپنے لکھے پر نظر ثانی کا موقع نہ مل سکا ناظرین سے امیدوار دعا ہوں۔

(پیشین گوئی)

میرے دوست تو اس کتاب کے مطالعہ کے بعد انتہائی خوش ہوں گے اور کہیں گے کہ ہاں ادبی انوکھی خدمت ہے۔ بڑی محنت کا کام ہے۔ لیکن میرے دشمن چاروں طرف یہی کہتے نظر آئیں گے کہ جناب دیکھا میر نفیس پر کیسا حملہ کیا ہے۔ انیس پر کیا کیا چوٹیں کی ہیں۔ کتاب نہیں لکھی بلکہ بغض و عداوت کا کھلا ہوا مظاہرہ ہے۔

بہ ادب عرض یہ ہے کہ جو صاحب میری تحریر کے مخالف ہوں۔ مجھ سے دریافت فرماسکتے ہیں۔ ہر اعتراض کے جواب کو تیار رہوں اور خدا سے امید کرتا ہوں کہ مجھے توفیق خدمت مرحمت فرماتا رہے گا۔ تاکہ آئندہ کچھ اور خدمات انجام دے سکوں۔

پیش نظر مرثیہ میر نفیس رح جس پر انیس کی کافی اصلاح ہے۔ اصلاحات کی تشریح مجھ لیے ہیچمدان نے کی جو یقیناً اس کا اہل نہ تھا۔

(تاریخ مرثیہ)

یہ مرثیہ حضرت نفیس رح کے صندوقچے میں عمر بھر رہا۔ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا مرثیہ ہے اور حضرت انیس کے قلم کی اصلاح ہے۔ انتقال کے بعد ان کے صحیح جانشین جناب دولھا صاحب عروج رحمۃ اللہ کو ملا۔ عرصہ تک مرحوم کے پاس محفوظ رہا۔ مصطفیٰ آباد ضلع رائے بریلی کے ایک ممتاز رئیس جناب سید مصحف حسین صاحب مرحوم خاندان انیس کے سچے فدائی۔ ان کے بڑے فرزند جناب سید محمد رضی صاحب قبلہ نے ایک مرتبہ جناب عروج کو دعوت دی اور

اسی مرثیہ کی خواہش کی خدا معلوم جناب عروج کو کتنا خلوص تھا دعوت قبول کی اور مرثیہ یہ کہہ کے دے دیا کہ

سپر دم بتو مایۂ خویش را

یہ مرثیہ بڑی احتیاط سے جناب سید محمد رضی صاحب کے پاس مثل جواہر کے محفوظ رہا اہل ادب کی خوش قسمتی سے آج میری وساطت سے منظر عام پر آگیا۔

یہ مرثیہ اور اس کے اصلاحات یہ چاہتے تھے کہ کم سے کم تین جلدوں میں تشریح کی جائے وقت کی کمی اور خرابی صحت کی وجہ سے اختصار مد نظر رہا۔ اور صرف ایک جلد پر اکتفا کی۔ گو میں تقریباً ۴۵ مرثیوں کا خود بھی مصنف ہوں اور اپنے پدر بزرگوار حضرت مؤدب رحمہ اللہ سے تقریباً تیس سال مسلسل کلام پر اصلاح لی۔ اور حضرت مؤدب مرحوم نے ۲۲ سال اپنے چچا حضرت وحید مرحوم سے اصلاح لی اور حضرت رشید نے تقریباً تیس سال حضرت عشق رحمہ اللہ اور چار سال حضرت تعشق رحمہ اللہ سے اصلاح لی۔ اور حضرت عشق و تعشق نے عمر بھر اپنے پدر بزرگوار مرحوم حضرت سید محمد میرزا صاحب اُنس سے اصلاح لی جو شیخ ناسخ مرحوم کے ممتاز اور مایۂ ناز شاگرد تھے۔ اس کے باوجود اصلاحات حضرت انیس رحمہ اللہ سے جو جو راہیں ملی ہیں۔ اور فوائد حاصل ہوئے ہیں وہ مجھ سا نااہل ہی سمجھ سکتا ہے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ اصلاح ایسی فرد فرید کی ہے۔ جو ایک ایسے خاص رنگ کا مالک تھا جس کا جواب اب تک تو پیدا نہ ہو سکا۔ آئندہ کیا امید کی جا سکتی ہے ترقی پسند حضرات آزاد شاعری کے مؤید حضرات میرے تشریحات کا یہ کہہ کے مضحکہ اڑائیں گے کہ واہ ری مہذب صاحب کی قدامت پرستی۔ اُن چیزوں کا تذکرہ کیا جو دنیا سے فنا ہو چکیں

یعنی عیوب شاعری۔

اب دورِ آزادی ہے یہ رکھ رکھاؤ یہ دیکھ بھال اب گناہ ہے۔ اب تو وہ دور ہے کہ جو چاہے کہو جو دل میں آئے نظم کرو اب استادی و شاگردی کا سوال اُٹھ چکا اصلاح کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔

مگر میں مجبور ہوں۔ زندگی کا پہلا فرض یہ سمجھتا ہوں کہ اصول ٹوٹنے نہ پائیں۔ پابندیاں باقی رہیں۔ اس خدمت کے بعد ابھی بہت سے اساتذہ باقی ہیں جن کا کلام اس طرح پیش کروں گا کہ اس پر اُستاد کی اصلاح ہوگی اور میرے تشریحات مثلاً اوج۔ رفیع عارف۔ رشید۔ حمید۔ مونس۔ دُلہن۔ سلیس۔ عروس وغیرہم انشاءاللہ تعالیٰ۔ خدا جناب سید محمد رضی صاحب تابش کو اجر مرحمت فرمائے اور میرے قصور سے درگزرے۔

خیر طلب

مہذب لکھنوی

۲۰ ستمبر ۱۹۵۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روح و جانِ انیس کیا کہنا

یہ کلامِ نفیس کیا کہنا

تشبیب ۱۳۰۵ء



میر خورشید علی صاحب نفیسؔ مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نفیس
کلامِ نفیس و اصلاحِ انیس

مطلع

دشتِ غربت میں وطن سے شہِ دیں جاتے ہیں — ساتھ سب غنچہ دہن ماہ جبیں جاتے ہیں (۱)
~~قطبِ دیں انجمِ افلاک~~ بریں جاتے ہیں — شاہ ہیں کنعانِ امامت کے حسیں جاتے ہیں
حیدرؑ و فاطمہؑ کے دُرِّ ثمیں
گلشنِ بادشہِ قلعہ شکن لُٹتا ہے
جس میں جنت کی فضا ہو وہ چمن لُٹتا ہے

حضرت انیس نے تیسرے مصرع کو بدل دیا۔ اس لیے کہ مصنف نے حسینؑ اور حسینؑ کے ساتھیوں کے اوصاف کا تذکرہ اس طرح کیا کہ ان کو (قطبِ دین) اور (انجمِ افلاک بریں)

ایک ہی مصرع میں نظم کیا ہے۔ پہلے ٹکڑے میں سب کو دین کا قطب کہا۔ یعنی ہر ہر فرد قطب دین کی حیثیت رکھتی ہے اور دوسرے ٹکڑے میں انجم افلاک بریں کہا۔ یعنی ہر ہر فرد افلاک کے ستاروں کی طرح ہے۔ پہلے ٹکڑے میں قطب واحد۔ دوسرے ٹکڑے میں۔ انجم جمع نجم کی۔ مقتضائے حسن یہ تھا کہ دونوں ٹکڑے ایک طرح کے ہوتے۔ یا دونوں واحد یا دونوں جمع ہوتے۔ دوسری چیز یہ کہ لفظ بریں زیادہ تر چرخ کی صفت قرار دیا جاتا ہے۔ فلک بریں یا افلاک بریں استعمال کم ہے۔ لہذا حضرت انیس نے ترمیم فرما دی اور ایک ایسا ٹکڑا منصب فرما دیا جس نے بند کے گوہر بے بہا میں آب کو دوبالا کر دیا۔

(۲) وحی آتی تھی جہاں ہوتا ہے وہ گھر برباد — جس سے تھا فیض عیاں ہوتا ہے وہ گھر برباد
جس میں تھی بوئے جناں ہوتا ہے وہ گھر برباد — جو کہ تھا باب اماں ہوتا ہے وہ گھر برباد
مرتبہ کعبے کا تھا اس در دولت کے لیے
گھر سے لوگ آئیں گے اب کس کی زیارت کیلئے

چونکہ یہ بند انتہائی پایۂ تکمیل کو پہونچا ہوا تھا اس لیے قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

(۳) باغ تھا جن سے وطن وہ گل تر جاتے ہیں — آبرو ~~بخت~~ تھے جو وہ گھر جاتے ہیں
شہر کی
~~کب سے جو نیک تھے وہ نیک سیر~~ جاتے ہیں — جن سے گردوں تھا منور وہ قمر جاتے ہیں
خیر تھی جن سے جہاں میں وہ بشر
گھر رونق جو ہیں اللہ کے پیارے شہر کے

کچھ اندھیرا ہی ~~فلک پہ جو~~ ستارے نہ رہے

جو دنیا میں

حضرت انیس نے دوسرے مصرع میں (بخشتے) کی جگہ (شہر کی) بنایا ہے۔ صرف اس لیے کہ بخشنے کے لفظ میں تخصیص تھی یعنی جسے چاہتے تھے آبرو بخشتے تھے۔ لیکن شہر کے لفظ سے تعمیم پیدا ہو گئی یعنی پوری بستی پورا شہر ان پر فخر کرتا تھا اور ناز کرتا تھا کیونکہ ان کی وجہ سے مجموعی حیثیت سے شہر کی آبرو تھی۔

تیسرے مصرع میں کوئی خاص ترقی نہ تھی۔ یعنی سب نیکوں میں نیک ہونا اور ان کی صفت نیک سیر ہونا خاص بات نہ تھی۔ اہلبیتؑ کے لیے مصرع کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ لہذا مصرع بدل دیا۔ اور اہلبیتؑ کی وجہ سے جہاں میں خیر و برکت کا جاری ہونا ثابت کیا اور وہ واقعی مجسمہ خیر و برکت تھے۔ بظاہر ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ بڑے میر صاحب نے متقدمین کی طرح صنعت جمع اضداد کا لحاظ فرماتے ہوئے مصرع بدلا وہ بھی صوتی صنعت یعنی اول مصرع میں لفظ خیر آخر میں بشر کا لفظ جس کے معنی انسان بھی اور اگر حرف با علیحدہ لکھا جائے تو (بہ شر) بھی سمجھ میں آتا ہے۔ یعنی خیر تھی جن سے جہاں میں وہ بہ شر جاتے ہیں۔ لیکن یہ رعایت قرین قیاس اس لیے نہیں ہو سکتی کہ بجائے مدح ممدوح مذمت ممدوح پیدا ہوتی ہے۔ پھر بھی ایک قسم کی رعایت پائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

چھٹے مصرع میں (فلک پہ جو) کی جگہ (جو دنیا میں) اصلاح فرمائی۔ اس لیے کہ فلک کے ساتھ ستاروں کا ہونا بظاہر مناسب تو تھا مگر شہر اور گھر سے جانے والوں کے لحاظ سے غیر متعلق بات تھی۔ اس لیے دنیا کا لفظ بنایا تاکہ تعلق باقی رہے اور ستاروں کی خصوصیت اہلبیتؑ

سے ہو جائے۔ کیونکہ ان کے سفر کا ذکر ہے۔

(۴) شہر بطحا سے چلے سرور عادل افسوس　　کس غنی سے فقرا ہوئیں گے سائل افسوس

لو مدینہ

کس سے حل ہوگی مسلمانوں کی مشکل افسوس　　کس سے اب پوچھیں گے قرآں کے مسائل افسوس

وطن رہنے کے لائق نہ رہا

پسر مصحف ناطق نہ رہا

غالباً جناب نفیس اگر صرف بطحا نظم فرماتے تو اصلاح کی ضرورت نہ ہوتی کیونکہ بطحا۔ مدینہ۔ مکہ۔ کوفہ۔ جب بولے جائیں گے۔ مراد شہر بطحا شہر مدینہ ہی ہوگی۔ ایسی صورت میں لفظ شہر کو زائد سمجھتے ہوئے (لو مدینہ) بنا دیا۔ اصلاح میں بڑے میر صاحب نے اسی طرح لکھا ہے یعنی ہائے ہوز کے ساتھ غالباً جلدی میں لکھ دیا۔ ورنہ حرف (یا) کے ساتھ لکھنا چاہیئے تھا کیونکہ (ہا) کے ساتھ ایسی صورت میں پڑھنا غیر فصیح ہے۔ حرف یا کے ساتھ (لو مدینے) فصیح و صحیح ہے اس بند کی بیت اس قدر زائد کرم خوردہ تھی کہ پڑھی نہ گئی۔ صرف آخری اجزا پڑھے گئے۔

(۵) ہائے اب آنکھوں سے چھپ جائے گا خورشید حجاز　　کون اب ہم کو پڑھائے گا جماعت کی نماز

یاں اقامت نہ کریں گے جو شہ بندہ نواز　　نہ سنیں گے علی اکبر کی اذان کی آواز

مقتدا کے لیے سب پیٹ کے سر رو دیں گے

والی عصر چلا شام و سحر روئیں گے!

اس بند پر حضرت انیس نے حرف صاد اس طرح بنایا ہے (ص) اس کے معنی یہ ہیں

کہ بند بہت پسند آیا تھا۔

اُٹھ گئے تھے جو زمانے سے رسولِ ثقلین دل کو تسکین تھی کہ ہیں فاتحِ صفین و حنین (۶)

بعد حیدر حسنِ پاک تھے شاہِ کونین مجتبیٰ حب نہ رہے سر پہ سلامت تھے حسین

خلق میں سبطِ نبیؐ نیرِ تابندہ ہیں

ہم سمجھتے تھے کہ محبوبِ خدا زندہ ہیں

حضرت نفیس نے اس بند میں کوئی ترمیم نہیں فرمائی۔ ایک ایسا قاعدہ جو عموماً شعرائے متقدمین و متاخرین سب جانتے ہیں اور نیز بہ کثرت کتابوں میں بالتصریح موجود ہے۔ یعنی (شائیگاں) یہ لغت فارسی زبان کا ہے۔ اسی کو عربی زبان میں (ایطا) کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک جلی دوسری خفی۔

ایطا جلی وہ ہے کہ جس میں تکرار ہو جائے۔ جیسے (چلتا) (پھرتا) جیسے حاملان۔ حامیان۔ چلتا کا چل رہے گا۔ پھرتا کا پھر رہے گا۔ حرف تا دونوں میں ایک طرح کا ہے اسی طرح حاملان کا۔ حامل۔ اور حامیان کا حامی باقی رہے گا۔ الف و نون دونوں میں جمع کا ہے۔ لہٰذا قافیہ مکرر ہو گیا جو ناجائز اور اختلاف روی ہو گیا۔ ایطا میں قاعدہ یہی ہے کہ جب حروف زائد علامت کو نکال دیں تو قافیہ باقی نہ رہے۔ یہی ایطا جلی ہے۔ ہاں اگر اس طرح سے تو افی لائے جائیں جیسے جلتا۔ چلتا۔ چاہنا۔ کراہنا۔ قاتلاں جاہلاں۔ تو کوئی قباحت نہیں کیونکہ اگر حروف زائد علیحدہ بھی کر لیے۔ تو روی کی موافقت میں کوئی فرق نہیں آتا جیسے جلتا۔ چلتا سے حرف تا کو علیحدہ کر لیا جائے تو جل۔ اور چل رہے گا۔ یا چاہنا اور کراہنا سے۔ علامت مصدری حرف (نا) علیحدہ کر لیا جائے تو چاہ اور کراہ

باقی رہیگا۔ اسی طرح قاتلان اور جاہلان سے اگر علامت جمع الف و نون جدا کریں تو قافیہ درست رہیگا۔ قاتل اور جاہل باقی رہیگا۔ مثال ایطا رجبعلی شاہ رحمانی کا شعر ہی۔

بوقت سحر اس کو ماریں گے ہم
لہو خاک میں اس کا ڈالیں گے ہم

ظاہر ہی کہ زوائد علیحدہ کرنے کے بعد مار اور ڈال قافیہ رہتا ہے جو ناجائز ہی۔ صورت جواز ایک ہی وہ یہ کہ مطلع کے قوافی میں سے ایک علم ہو جیسے نادر علی نادر لکھنوی کی مثنوی کا شعر ہی

نہ ایسا کوئی شہر آباد ہے   کہ آباد جو فرخ آباد ہے

گو آباد کے قافیہ کی تکرار ہو گئی۔ لیکن چونکہ فرخ آباد نام مقام و شہر ہی لہٰذا جائز ہی یا معنی بدلے جائیں۔ اور قافیہ ایک ہو۔ یہ بھی جائز ہے جیسے شرط بدلی۔ گھر سے آگئی بدلی لکھنؤ سے کانپور ہو گئی بدلی۔ بعض اساتذہ کا خیال ہی کہ اگر شعر مردف ہو تو شائگاں کا لانا قباحت نہیں رکھتا جیسے شعر آتش۔

بڑا اغنیا جن کا تھا گنشہ روں میں
وہ سوتے ہیں بعد اوکے مقبروں میں

علامت جمع نکالنے کے بعد کشو ر اور مقبرہ باقی رہتا ہی۔ لیکن میرے نزدیک قطعاً ناجائز اور حرام ہی۔ اور یہی اساتذہ مستند لکھنؤ کا معمول بہ ہی۔

ایطار خفی وہ ہی کہ حرف زائد کی تکرار واضح نہ ہو جیسے دانا۔ بینا۔ اگرچہ الف زائدہ مکرر ہی لیکن بہ سبب کثرت استعمال کے جز معلوم ہوتا ہی اس کی مثال میں صاحب غیاث اللغات نے آب و گلاب کو لکھا ہی۔ بہرحال ایطا تکرار قافیہ کو کہتے ہیں۔ جو کسی

طرح نظم میں لانا جائز نہیں۔

حضرت نفیس رحمۃ اللہ نے مصرع اوّل میں قافیہ (ثقلین) اور مصرع سوم میں (کونین) نظم فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ثقل کا تثنیہ ثقلین ہے۔ اور کون کا تثنیہ کونین ہے۔ حرف (یا اور نون) دونوں میں علامت تثنیہ ہے۔ لہذا قافیہ مکرّر ہوگیا۔ اسی کو ایطاء جلی کہتے ہیں یہ مسئلہ اور صورت اُن صورتوں میں نہیں جسے مختلف فیہ کہا جا سکے۔ یہ غلط وہ غلط ہے جو کسی صورت اور کسی طرح صحیح نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ نہ آج تک متقدمین و متاخرین نے اس ایطاء جلی کو صحیح قرار دیا۔ نہ مستند اساتذہ کے یہاں کوئی مثال مل سکتی ہے۔ خود حضرت انیس کے یہاں اس کی مثال نہیں ملیگی اور اگر ملے گی تو کتابت کی غلطی ماننا پڑے گا۔ غالباً نظر نہیں پڑی ورنہ یہ عیب بند میں نہ باقی رہتا اور مصرع دوسرے قافیے کے ساتھ بدل دیتے۔

ایک جواب ممکن ہے وہ یہ کہ رسول الثقلین سے ہر کس و ناکس کا جناب محمد مصطفیٰؐ کی ذات گرامی کی طرف خیال پہنچ جاتا ہے۔ کسی دوسرے کا تخیل ہی ذہن میں نہیں آتا۔ ایک حیثیت کی شان علمیت ہے شائگان میں اگر کوئی ایک قافیہ علم ہو تو جواز میں کلام نہیں ہے۔ مثلاً آمرزگار اور پروردگار اگر ایک مطلع میں نظم ہو جائیں تو جائز ہے۔ اس لیے کہ پروردگار سے صرف ذات باری ہی مراد لیتے ہیں لہذا شائگان کا عیب باقی نہیں رہتا۔ یہی صورت (کونین) اور (رسول الثقلین) کی ہے۔ مگر پھر بھی ایسی صورت سے احتیاط لازم۔

(نظم)

(۷) یادگار خدا امجد ہی محمدؐ کا خلف سب بزرگوں کا ہی کی ہزار بنتہ شرف
گر عصا ہمارا اکھی نہ ہر اکھی جنگل کیطرف کہیں ایسا نہ ہو احمدؐ کی ریاضت ہو تلف

دشمن ایک ایک لعیں اس شہِ دلگیر کا ہے
ایک دم پنجتنِ پاک میں شبیرؔ کا ہے

حضرت انیسؔ رحمۃ نے اس بند پر کوئی اصلاح تو نہیں دی مگر لفظ (نظر) اوپر لکھ دیا ہے غالباً اس بند کو کاٹ دیا ہے۔ اور وجہ کاٹ دینے کی صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ بند سادہ ہے اور ماقبل کے بند کا آئینہ ہے۔ اکثر اساتذہ بغیر عیب بھی بند یا شعر نکال دیتے تھے۔ اور بجائے کاٹنے کے لفظ نظر لکھ دیتے تھے۔ ایسی صورت میں جب کہ کوئی خاص بات نہ ہو اور زائد ہو۔ یہ بند بھی سادہ ہے اور کوئی خاص بات نہیں ہے گو جملہ عیوب سے پاک ہے۔

نظر

(۸) لکھ کے خط مکے سے سید کو بلایا آخر | بے گنہ صابر و شاکر کو ستایا آخر
قبرِ احمدؐ سے نواسے کو چھڑایا آخر | رحم اعدا کو نہ معصوم پہ آیا آخر
صفتِ سنگ ہیں دل سب کے شرارت سے بھرے
صاف ظاہر میں ہیں باطن میں عداوت سے بھرے

اس بند پر بھی لفظ (نظر) لکھ دیا ہے۔

غالباً صرف اس لیے یہ بند بھی نکال دیا کہ سادہ ہے۔ اور کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یا اس لیے کہ پہلے مصرع کا یہ ٹکڑا (لکھ کے خط) اگر علیحدہ کر دیا جائے۔ تو یہ ٹکڑا اچھا ہے (مکے سے سید کو بلایا آخر) چونکہ اشارہ سید الشہداؑ کی طرف ہے اس لیے اتنی بات بھی معیوب سمجھتے ہوئے نظری کر دیا۔ مستند اساتذہ ان باتوں کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔

(۹) شہر میں خلق کے مختار کو رہنے نہ دیا | پسرِ حیدرِ کرار کو رہنے نہ دیا

گھر میں اُمت کے مددگار کو رہنے نہ دیا چین سے عترتِ اطہار کو رہنے نہ دیا

~~اب ہی ایذائے سفر ماہ جبینوں کے لیے~~

جیٹھ بیساکھ کی یہ دھوپ جبینوں

~~بیٹھے بٹھلائے یہ غم گوشہ نشینوں کے لیے~~

یہ پہاڑوں کا سفر

مُصنف نے یہ بیت صاف تو نکالی تھی مگر سُست تھی اور مناسبات سے مبرا تھی حضرت انیسؔ نے پانچواں مصرع بدل کے گو لفظ ماہ جبیں نکال دیا مگر چار چاند لگا دیے اور جیٹھ بیساکھ کے الفاظ استعمال فرما کے زبان کی خاص چاشنی پیدا کر دی۔ چھٹے مصرع میں گوشہ نشینوں کے لیے پہاڑیوں کا سفر بنا کے ایک خاص روانی اور مناسبات کے دریا بہا دیے۔ مصنف کا یہ ٹکڑا (بیٹھے بٹھلائے یہ غم) بھرتی کا ٹکڑا ہے۔

باپ جس شخص کا ہو نورِ خدا سرورِ دیں صاحبِ معجزۂ رجعتِ خورشید مبیں (۱۰)
اس کو بلوائیں وطن سے بہ ستم بانیٔ کیں دیکھیں شبیرؑ سے کیا کرتے ہیں غربت میں لعیں

ڈر ہی نورِ نظرِ خیر البشرؐ قتل نہ ہو

کہیں خاتونِ قیامت کا پسر قتل نہ ہو

مصنف نے ربط کا بند بہت خوبی سے نظم فرمایا ہے۔ جس پر بڑے میر صاحب نے کوئی اصلاح نہیں فرمائی۔

نظر

در دولت پہ کھڑے روتے ہیں احبابِ امام سب سے فرماتے ہیں شبیرؑ تسلی کے کلام (۱۱)

رنج و اندوہ میں ہیں یاور و انصار تمام ہیں کمر باندھے ہوئے شیر خدا کے گلفام
کوئی غمگیں ہے کوئی اشکوں سے منھ دھوتا ہے
رخصت شاہ کو جو آتا ہے وہ روتا ہے

نہ معلوم بڑے میر صاحب نے اس بند پر لفظ (نظر) کیوں لکھ دیا۔ یا اس لیے کہ دوبارہ کی نظر میں اسے الفاظ بدل کے درست کروں گا۔ یا بند نکال ڈالوں گا۔ واللہ اعلم۔

مصنف رحمہ اللہ جہاں لکھتے ہیں وہاں (موئنہ) لکھتے ہیں۔ بڑے میر صاحب جہاں اصلاح فرماتے ہیں وہاں یوں لکھتے ہیں (منہ) صرف ایک مقام پر مصنف کی طرح (موئنہ) لکھا ہے۔ غالباً اس عہد میں یعنی بڑے میر صاحب کے دور میں زیادہ تر رسم الخط یوں ہی تھا یعنی (منہ) مصنف کے دور میں رسم الخط بدل چکا تھا اسی وجہ سے ہر مقام پر حسب عادت (موئنہ) لکھا موجودہ دور میں زیادہ تر اسی طرح لکھتے ہیں (موئنہ)

(۱۲) خاک اڑتی ہے دم صبح سے ڈیوڑھی پہ اُدھر ~~چار سو چھایا ہوا ہے~~ الم و حسرت و یاس
چار جانب ہے وفور
~~قاسم و عون و محمد شہداء کے ہیں پاس~~ ~~علی اکبر متردد ہیں مشوش~~ عباس
سب جو روتے ہیں تو بچوں کے بھی دل ہیں ہراس ہیں مشوش علی اکبر، متردد عباس
دیکھ کر شاہ کو اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں
باہر آتے ہیں کبھی گھر میں کبھی جاتے ہیں

مصنف کا پہلا مصرع بے داغ تھا۔ دوسرے مصرع میں جو الفاظ کی گنجلک تھی اس کو دور کرنے کے لیے اور روانی پیدا کرنے کے لیے اس ٹکڑے کا اضافہ فرما دیا۔ اگر مصنف کا

مصرع بحالہ رہتا جب بھی کوئی عیب نہ تھا۔ ہاں اصلاح سے مصرع ڈھل گیا۔ تیسرے مصرع کو بالکل بدل دیا۔ گو مصنف کا مصرع کسی عیب کا حامل نہ تھا۔ ہاں بھرتی کا مصرع ضرور تھا۔ اصلاح میں سب کا رونا ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ وضاحت نہیں ہے کہ اہلبیتؑ رو رہے تھے یا مجاہد رو رہے تھے؟ اگر اہلبیتؑ مراد ہیں تو وضاحت نہیں اور اگر مجاہد مراد ہیں تو رونا کوئی خاص بلندی نہیں ظاہر کرتا بلکہ ان بہادروں کے لیے ایک قسم کا عیب ہو جائے گا۔ غالباً وہ لوگ مراد ہیں جو رخصت کرنے کے لیے وقت پر موجود ہیں۔ چوتھا مصرع اصلاح میں بالکل نیا ہے۔ تھوڑے سے تغیر الفاظ یعنی تغیر محل الفاظ کر دیا ہے۔ مصنف نے جناب علی اکبرؑ کے لیے تردد ظاہر کیا تھا اور تشویش جناب عباسؑ کے لیے۔ اصلاح میں اس کا عکس کر دیا گیا۔ تشویش ام صورت احمد کے لیے اور تردد سکینہ کے لیے کر دیا۔ ایک توجیہ نکل سکتی ہے وہ یہ کہ جناب علی اکبرؑ کے لیے متشوش ہونا اس لیے مناسب ہے کہ ان کے سپرد کوئی خدمت نہیں تھی۔ گرمیوں کا سفر تھا۔ احباب کی جدائی تھی۔ تشویش لازمی تھی۔ جناب عباسؑ کے لیے متردد ہونا اس لیے مناسب ہے کہ ان کے سپرد حفاظتِ سفر تھی۔ چونکہ انتظام کے ساتھ لفظ تردد زیادہ لایا جاتا ہے۔ اور تردد کے معنی بھی ایک قسم کے انتظام کے ہیں۔ اس لیے لفظ متردد مخصوص جناب عباسؑ کے لیے کر دیا۔ واللہ اعلم۔

خادموں پہ تھی تقید کہ رہیں سب ہشیار　　باہر اندر سے ہو گرد خیمۂ شاہ ابرار ۱۳۱
لائیں سامان بھی اصطبل سے کس کر رہوار　　تاکہ ہو جائیں سبھی محمل و ہودج تیار

[illegible]

حضرت انیس رحمۃ اللہ نے بند کا تیسرا مصرع قریب قریب بدل دیا تھا مگر خدا معلوم اپنے بدلے ہوئے مصرع کو خود ہی کیوں نظری کر دیا۔ بظاہر مصرع میں کوئی سقم نظر نہیں آیا۔ اور اصلاح سے کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔

اکثر و بیشتر اساتذہ اصلاح کی دھن میں ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ پانچویں مصرع میں ایک خاص چیز تھی جس کو محسوس فرما کے اصلاح فرمائی۔ میر نفیس کے مصرع میں حکم تھا کہ عماری کے پردے چھوڑ دو اگر نہ چھوڑے ہوں۔ اور قافلہ کی روانگی دکھائی ہے۔ کل اہلبیت ہمراہ ہیں ایسے محل پر عماری کا واحد صرف مناسب نہ تھا۔ اس لیے انیس نے بدلا اور عماری کی جگہ محافوں[1] لائے۔ اب وہ واحد و جمع کی جو خلش تھی دُور ہو گئی۔ اور بند مکمل ہو گیا۔

(۱۴) لونڈیاں گھر سے لیے آتی ہیں اسباب سفر — رکھتے ہیں اونٹوں پہ فراش اُسے لے جا کر
مستعد ہیں وہ جنھیں جانا ہے منظور نظر — کوچ کا شاہ کے اک شور ہے اندر باہر
غُل ہے کہ عرصہ نہیں شبیر کے اب جانے میں
در پہ رونق نہ وہ جلوہ ہے جلو خانے میں

اس بند میں اصلاح نہیں فرمائی اس لیے کہ کوئی خاص بات نہ تھی اور خوبیوں کا حامل تھا۔

(۱۵) سارا گھر ہے تہ و بالا صفت مجلس غم — کوئی چشم ایسی نہیں ہے جو نہ اشکوں سے ہو نم
~~بزم ماتم ہے کہ ہے صحبت انجم برہم~~ — یاس کا دور ہے اندوہ و الم کا عالم
دل پہ ایک ایک کے چھایا ہوا ہے ابر الم

[1] محافہ واحد۔ از قسم سواری محافوں اُردو جمع۔

شکل اپنی سحر ہجر تجھ کو دکھلاتی ہے

در و دیوار سے آواز بکا آتی ہے

مصنف رحمۃ اللہ نے بند کے پہلے مصرع میں گھر کے تہ و بالا ہونے کو مجلس غم سے تشبیہ دی ہے مصرع بہت صاف ہے۔ دوسرے مصرع میں ہر آنکھ کے رونے سے عمومیت کی منظر کشی کی ہے اتفاق سے تیسرے مصرع میں اسی مجلس غم کی جس سے گھر کی تہ و بالگی کی تشبیہ دی تھی اس کو بزم ماتم کہہ کے انجم بہ ہم سے مشابہت دے دی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ گھر تہ و بالا ہے مثل مجلس غم اور مجلس غم مثل انجم بہ ہم ہے حضرت انیس کی نظر میں تیسرا مصرع بھرتی کا اور زائد ثابت ہوا اس لیے مصرع کاٹ دیا اور اسے یوں بدل دیا کہ —

دل پہ ایک ایک کے چھایا ہوا ہے ابر الم

کس قدر مربوط مصرع بدل دیا۔ جب ہر آنکھ کا رونا ثابت ہو گیا تو ہر دل پہ ابر الم کا چھا جانا ضروری ہوا۔ باقی تین مصرع محل کے اعتبار سے مناسب تھے لہذا رہنے دیجیے

(۱۶) ~~چھوٹا جاتا ہے جو مالک سے وہ گھر شاہانہ~~ ~~الم شاہ میں گھرتا ہے اب ویرانہ~~

چھوٹتا ہے جو مکیں سے وہ محل شاہانہ — اسی بستی میں بنا تا ہے مکاں ویرانہ

شان بربادی کی دکھلاتا ہے سب کا شانہ — اٹھ کے بھی جاتے ہیں سنسان ہے مکتب خانہ

نفیس ~~عیش کے باب میں ہم پہ مصیبت اٹھا ہے~~

انیس ~~رخصت ہفتہ میں لڑکوں پہ انہیں چھٹتا ہے~~

نفیس ~~فصل غم میں ابھی ہم پہ جو رحمت کا ورق الٹا ہے~~

انیس ~~اب کتاب الم و غم کا سبق پڑھنا ہے~~

تہ کتابیں ہوئیں جو دل ہو وہ رنجیدہ ہو

اب ہے وبستاں کہ گلستانِ خزاں دیدہ ہو

جناب مصنف نے پہلے مصرعہ میں (چھوٹا جاتا ہے) نظم فرمایا تھا اور ضرورت اس کی تھی کہ زمانۂ حال باقی رہے لہذا حضرت انیس نے (چھوٹتا ہے) بنا دیا۔ یہی مناسب بھی تھا۔ دوسری چیز یہ کہ مصنف نے گھر کے لیے (مالک) کا لفظ صرف کیا انیس نے (مکین) کے لفظ سے جان ڈال دی۔ گو مالک بھی صحیح تھا۔ مصنف نے دوسرے مصرع میں یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ چونکہ مالک سے گھر چھوٹا جاتا ہے اس لیے غم شبیر کی وجہ سے گھر بیاباں ویرانہ گھر کررہا ہے۔ گھر کرنے کے محاورے سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ مصلح نے ذیل اصلاح دی کہ؎

اسی بستی میں بناتا ہے مکاں ویرانہ

مناسبات جمع کردیے بستی کے ساتھ ویرانے کا تذکرہ کتنا برمحل ہے۔ اور شبیر کے غم میں ویرانے کا مکان بنانا۔ سونے پر سہاگہ ہو گیا۔

پہلے مصرع میں بلحاظ محل کا لفظ استعمال کیا دوسرا مصرع بدلا تو مکان کا لفظ صرف کیا۔ یہ قدیمی اصول کی بنا پر کیا۔ اس عہد میں تکرار لفظ ایک بند میں بلا ضرورت معیوب سمجھتے تھے۔

مصنف نے تیسرے مصرع میں لفظ برباد کے حرف ب کو گرا دیا۔ لفظ فارسی ہے تقطیع میں گر بھی گیا۔

(تحقیق)

شعرائے ایران نے حرف کا گرنا جائز قرار دیا ہے۔ مثال ص٥

آپ پر اے مرے مالک کرم اللہ کا ہے

اللہ کا الف تقطیع میں گر گیا یہ جائز ہے اگر کوئی دوسرا حرف ہمزہ کی جگہ ہو تو اس کا گرنا کسی طرح جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن اگر الف ہو تو اس کا گرانا قطعاً جائز نہیں مثلاً لیلیٰ۔ دریا۔ صحرا۔ ان الفاظ کے آخر میں الف ہے۔ ہمزہ نہیں ہے اس لیے ان کا اسقاط صحیح نہیں (قاعدہ) الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے۔ ہمزہ ہمیشہ متحرک ہوتا ہے۔ یہ ہمزہ تمام حروف کے لیے سپر کا کام کرتا ہے۔ خود گر جاتا ہے مگر ما قبل والے حرف کو بچا لیتا ہے جیسا کہ مثال سے واضح ہے۔ کہ اللہ کے الف یعنی ہمزے نے خود گر کے کرم کی میم کو بچا دیا۔ (تنبیہ)

کوئی ایسا لفظ جس کے آخر میں الف ہو اور وہ لفظ عربی یا فارسی زبان کا ہو اس کو ہمزے سے جو یقیناً متحرک ہوتا ہے نہیں بچایا جا سکتا۔ مثلاً لفظ (تو لا) یا (تقاضا) ان کے آخر میں الف ہے۔ اب اگر کسی بحر میں کسی ایسے محل پر یہ الفاظ آئیں جہاں الف کی بقا ناممکن ہو تو دیگر حروف کی طرح ان الفاظ کے بعد ایسا لفظ لانے سے جس کے اول میں ہمزہ ہو مناسب و فصیح نہیں۔ جن اساتذہ نے ایسا کیا ہے تسامح سے خالی نہیں کیوں؟ اس لیے کہ جب ہمزہ اور الف متصل واقع ہو جائیں گے۔ یعنی پہلے الف پھر ہمزہ تو ہمزہ اپنی حرکت جو بھی ہو الف کو دے دے گا اور خود ساکن ہو کے گر جائے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ جب الف کی تعریف یہ ہے کہ ساکن ہو تو ہمزے کی حرکت قبول کرنے کے بعد وہ الف الف نہ رہے گا۔ یا ہمزے کی تعریف صادق آنے لگے گی۔ اگر کہیے کہ الف الف اب بھی رہا کیونکہ بعد قبول حرکت تو لفظ جو گا اس سے اس الف کی تعریف

سے خارج ہو گیا۔ اگر کہیے کہ اب الف نہیں رہا ہمزہ ہو گیا تو ہمزہ کی تعریف یہ ہے کہ حرکت ماقبل کو دے کے خود گر جائے۔ یہاں ایسا نہیں ہے۔ الف ہمزہ بھی بن گیا اور نہ حرکت ماقبل کو دی نہ ساقط ہوا۔ نہ اصولاً اسے ساقط ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اصل اس کی الف ہے نہ کہ ہمزہ۔

اسی طرح سوال پیدا ہوتا ہے ہمزے کے لیے کہ جب اس نے حرکت ماقبل کو دے دی تو اب ہمزہ ہمزہ رہا یا الف ہو گیا۔ اگر ہمزہ مانتے ہیں تو اس کو اصلی مان کے گرانا جائز نہیں گو گرانا چاہیے اور گرا دیتے ہیں۔ اگر ہمزہ کو ساکن ہونے کے بعد الف مانتے ہیں تو بعد انتقالِ حرکت ہمزے کی تعریف صادق نہیں آتی۔

جواب یہی ہے کہ الف کو ہمزے سے نہیں بچایا جا سکتا تمام حروف کو ہمزہ خود گر کے بچا لے گا مگر الف کو نہ بچا سکے گا۔ اس لیے کہ کوئی چیز اپنی حقیقت اور اصلیت سے خارج نہیں ہو سکتی نہ کی جا سکتی ہے الف بعد قبول حرکت اپنی تعریف سے خارج ہوا جسے خارج نہ ہونا چاہیے تھا لہٰذا قوّلا اور تقاضا وغیرہ کا الف کبھی ہمزے سے نہیں بچایا جائے گا

ایک سوال اور یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمزے کے متعلق الف کے ساتھ جو وجوہ پیش کیے گئے بہ صورت ہمزے کے لیے تمام حروف کے ساتھ پیش آتی ہے۔ یعنی ہمزہ جب بھی کسی حرف کو بچانا چاہتا ہے۔ حرکت ماقبل کو دے کر خود گر جاتا ہے۔ وہاں یہ اعتراض وارد نہیں کیا جاتا ہے۔ جواب بہ ظاہر یہی ممکن ہے کہ اساتذہ متقدمین نے اسے اس لیے جائز قرار دے دیا کہ مجبوری تھی۔ اس کی صحت پر اجماع اساتذہ ہو چکا ہے یعنی ہمزہ حرکت ماقبل دے کے خود گر جاتا ہے۔ لیکن یہ ضرورت یا مجبوری الف کے لیے نہیں ہے

لہذا الف کسی صورت سے ہمزہ سے نہیں بچایا جا سکتا۔

اس کے علاوہ جس قدر حروف ہیں۔ سب کا گرانا جائز ہے۔ چنانچہ حروف سے یہ حرف یعنی حرف (یا) بھی ہے۔ جو صاف گر گیا۔ چونکہ خاندان حضرت انیس میں حرف علّی وغیرہ کا گرانا جائز قرار دے لیا تھا۔ لہذا اصلاح نہیں دی۔ اور مصرع بحالہ باقی رکھا۔

انیس رحمۃ اللہ نے بیت بالکل نظری[1] کر دی۔ مصنف نے چوتھے مصرع کے لحاظ سے بیت میں کل مناسبات جمع کر دیئے تھے۔ جو بالکل آورد کہنے کے قابل تھے۔ اور کوئی خاص معنویت بیت میں نہیں پائی جاتی تھی۔ خصوصیت سے بیت کا پہلا مصرع ؎

عیش کے باب میں ماتم یہ سبق الٹا ہے

یہ مصرع بالکل بند اور بھرتی کا ہے۔ دوسرا مصرع پہلے مصرع کا آئینہ بردار ہے خوش فکر جدت پسند اصلاح دینے والے کو تاب نہ رہی۔ بیت کاٹ دی اور خود بیت کہہ کے لگا دی۔ ؎

انیس

دشت آفت میں لڑائی پہ انھیں چڑھنا ہے
اب کتاب الم و غم کا سبق پڑھنا ہے

یہ بیت جو خود کہہ کے لگائی تھی کاٹ دی۔ سوال یہ کہ کیوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انیس مرحوم نے بیت میں پہلے خیال کیا کہ جس طرح فرزند نے چوتھے مصرع کے پہلے ٹکڑے سے بیت نکالی ہے یعنی (لڑکے بھی جاتے ہیں) میں بھی اسی ٹکڑے سے بیت نکالوں بیت

---

[1] نظری کرنا۔ بیت یا مصراع یا بند وغیرہ کا نامناسب اور غلط سمجھتے ہوئے کاٹ دینا یا نکال دینا۔ یہ خاص شعرا کی اصطلاح ہے۔ نظری ہونے کی علامت یہ ہے (مصنف)

بہت عمدہ نکالی ہے مگر سُست معلوم ہوئی۔ گو مصنف کی بیت سے بہت بلند ہے۔ دوسری بیت کہہ کے لگائی اور صورت بدل دی۔ یعنی چوتھے مصرع کے آخری ٹکڑے سے بیت لگائی یعنی (سنسان ہے مکتب خانہ)

نہ کتابیں ہیں نہ وہ ہیں جو دل رنجیدہ ہے
ہے دبستاں کہ گلستان خزاں دیدہ ہے
انیس

حقیقتاً اب عمدگی کی کوئی انتہا باقی نہ رہی۔ بیت نہایت براق اور مناسب لیکن پھر دل نے نہ مانا اور (ہے) کو کاٹ کے (اب) بنایا۔ واقعاً وہ نادرہ ہو گیا۔ اور بڑی نزاکت پیدا کر دی۔ وہ یہ کہ ابھی تو شاہزادے گئے نہیں ہیں مکتب خانہ آباد ہے۔ وطن سے جانے کے بعد ویران ہوگا۔ لہٰذا (ہے) کا صرف نامناسب سمجھتے ہوئے (اب) بنا دیا۔ یعنی آئندہ جانے کے بعد دبستان اس گلستاں کی صورت نظر آئے گا جو خزاں دیدہ ہو جس میں خزاں آ چکی ہو۔

حضرت انیس نے چوتھے مصرع میں (مکتب خانہ) رہنے دیا۔ مکتب خود کتاب گھر کو کہتے ہیں۔ خانہ زائد ہے صرف اس لیے رہنے دیا کہ مکتب اسم ظرف ہے اور خانہ وغیرہ زائد ہیں۔ لیکن چونکہ بعض مصدری شعراء ایران نے نظم کیا ہے۔ لہٰذا جائز ہے۔

کنم در عشق مکتب خانہ خود کوہ و ہامون را
بیا موزم طریق عاشقی فرہاد و مجنوں را
ظہوری

(۱۷) ہے محل رونے کا ایسا ہو جو گھر بے رونق [illegible] چھائی ہے دل اندوہ ہی شوق
[illegible] ہوا اچھا ہے

شہ نشیں خاک نشیں حجروں میں صاحب قلق — صاف دالان ہی ماتم کے مربع کا ورق

غم سے محراب ہی خم قبلۂ عالم کے لیے

ہر ستوں خاک پہ استادہ ہی ماتم کے لیے

حضرت نفیس نے صرف دوسرے مصرع میں ترمیم فرمائی۔ فقط اس لیے کہ مصنف نے (بھی کا) لفظ استعمال کیا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اور دوسری چیزوں کی چھاتی تو اندوہ سے شق ہو گئی تھی۔ یا تھی۔ صحن خانہ کی بھی چھاتی اس اندوہ سے شق ہوئی جاتی ہی اس کو حضرت نفیس نے نامناسب سمجھتے ہوئے ایک جز نکال دیا۔ یعنی (صحن خانہ کی بھی چھاتی ہی۔ اس) اس کی جگہ (صاف مسقف ہوا جاتا ہی) بنایا ظاہر ہی کہ بھی کا لفظ نکلنے نے جان ڈال دی۔ اور زمین آسمان کا فرق ہو گیا۔ استادی اسی کا نام ہی باقی مصرعے صاف اور برمحل تھے اس لیے ترمیم نہیں فرمائی۔

(۱۸) طاق دیوار کے ہیں صورت چشم بے نور — ~~مسقف ہی صورت لب بام~~ ہی غم کا ہی وفور

بام خورشید لب بام ہی

جو ہی دروازہ وہ ہی زخمی کے جگر کا ناسور — ~~یہ زمیں کی ہی شق ہو سینہ~~ کہ دراٹ ہوئی ہی

صحن در [illegible] رنج سے شق ہو گیا

کام دروازے کی زنجیر کو ہی نالوں سے

اوٹی آنسوؤں کی بہتی ہی پرنالوں سے

مصنف کا یہ بند قدیم رنگ کے اعتبار سے شاندار ہی ایک بند میں تمام مناسبات لفظی جمع کر دیے ہیں۔ نفیس علیہ الرحمہ نے دوسرے اور چوتھے مصرعے میں ترمیم فرمائی ہے

مُصنفؔ نے سقف کو لب بام کہا تھا اور ایک خوبی پیدا کی تھی۔ لیکن حضرت انیسؔ علیہ الرحمہ نے بام کو خورشید لب بام نظم فرما کے ایسا اضافہ خوبی فرمایا جس کی نظیر ناممکن۔ ایسے محل پر اساتذہ عموماً آفتاب لب بام نظم کرتے ہیں۔ مُصنفؔ نے مہر لب بام نظم فرمایا تھا غالباً انیسؔ رحمہ اللہ نے اس خیال سے (مہر) کا لفظ نکال کے خورشید کے لفظ کو بدل قرار دیا۔ پچھلے مصرع میں مصنفؔ نے سہ دروں کا شش و پنج ظاہر فرما کے ایک خاص صنعت نظم فرمائی تھی۔ یعنی سہ درے اور شش و پنج۔ اجتماع اعداد مع محاورہ۔ لیکن حضرت انیسؔ کی نقاد نظر نے یہ گوارا نہ کیا کہ فرزند کے کلام میں کسی قسم کا بھی سقم باقی رہ جائے۔ اور وہ سقم یہ تھا کہ (شش و پنج) زیادہ تر ایسے محل پر بولتے ہیں جہاں تذبذب ہو یعنی کسی ایک خیال یا بات پر قطعیت نہ ہو۔

انیسؔ علیہ الرحمہ نے سہ دروں کا رنج سے ششدر ہونا نظم فرمایا۔ یہ صنعت انتہائی کامیاب اس لیے ہے کہ سہ درے کے لیے ششدر کا تصرف بالکل مناسب۔ سہ درہ تین در کے درجہ کو کہتے ہیں اور ششدر کے لغوی معنی چھ در اور اصطلاحی معنی۔ حیران و متحیر۔ حقیقت یہ ہے کہ اصلاح دینے والے کا جامع کمالات ہونا ضروری ہے۔

(۱۹) چھوٹتا ہے جو مکاں عرش مجد کا مکیں — گھر بھی روتا ہے کہ سر دار سے چھٹتی ہے زمیں
بے مکیں ہوتا ہے بیت اشرف کعبۂ دیں — اب یقیں ہے کہ پھر آئیں نہ شہ عرش نشیں

خاک گھر ہے جو سلطان مدینہ نہ رہا
اپنی دو ہر آنہ رہا جب تو
نہ رخاتم میں کہاں جب کہ نگینہ نہ رہا

مصنف علیہ الرحمہ کے ابتدائی چار مصرعے نہایت براق ہیں۔ بیت کا پہلا مصرع یعنی پانچواں مصرع واقعاً سست تھا۔ انیس رحمہ اللہ نے (ابن فہد ہرا نہ رہا جب) کا ٹکڑا بڑھا کے مصرع میں جلالت پیدا کر دی۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ مصنف نے پانچویں مصرع میں (رجب) کا لفظ (رجب) کے معنی میں استعمال کیا تھا۔ یعنی رجب کے محل پر رجبے نکال دینا حضرت انیس کے لیے ضروری تھا۔

(۲۰) حرم شہ میں ہے فریاد و بکا سے کہرام   بی بیاں آئی ہیں خصلت کو محلے کی تمام
سب سے ملتی ہے گلے رو رو کے ہمشیر امام   ہاتھ مل مل کے یہ ہمسائیاں کرتی ہیں کلام
کیا قیامت ہے کہ ویران یہ گھر کرتے ہیں
ہائے کل گرمی میں شبیر سفر کرتے ہیں

مصنف کے تیسرے مصرع میں حضرت انیس نے کوئی ترمیم نہیں فرمائی۔ گو مصرع کی بندش صاف نہیں ہے۔ جس جگہ اور جس محل پر (رو رو) کے استعمال فرمایا ہے۔ وہ مصرعے علاوہ ناگوار اس سے سماعت پر بار ہے جس کی تاب یہ حضرت طبع سلیم ہی کر سکتی ہے۔ گو اردو حرف ہ گوارا بھی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ مصرع میں صفائی باقی رہے۔ اگر اس مصرع کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہو جاتا تو یہ بات باقی نہ رہتی۔ مثلاً یوں ہے

سب سے رو رو کے گلے ملتی ہے ہمشیر امام

بہر حال جس طرح ہے اس طرح بھی عیب کہنے کے قابل نہیں۔ یہ ایک خیال ظاہر کیا گیا ہے شاید اسی لئے اصلاح نہ دی گئی۔ چھٹے مصرع میں صرف ایک لفظ بدل دیا (کس) کو بکاف کے (کل) بنا دیا۔ اس تغیر سے زور پیدا ہو گیا گو کہ کس کا لفظ بھی اتنا مناسب

نہ تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت انیس رحمہ اللہ نے لفظ گرمی کی (یا) جو تقطیع میں صاف گر گئی تھی کیوں نہ بدلا۔ اس کا جواب خود کلام انیس دے گا۔ کہ حروف علت اور حروف اصلی کا گرنا حضرت انیس نے خود جائز قرار دے لیا تھا اس لیے نہیں بدلا مصنف نے کہیں حرف گرایا نہ تقلید کیا۔

(مختصر تبصرہ)

اساتذہ فن میں اکثر و بیشتر اختلافات رہتے ہیں۔ اور ہر فن کے لیے کچھ قواعد مقرر ہوتے ہیں چنانچہ فن شعر میں بھی کچھ قواعد مقرر ہیں۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا استعمال ضروری کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا ترک واجب مثلاً بحر کی قید۔ قافیہ کا لزوم ضروری۔ شتر گربہ۔ ایطار۔ اقوا۔ ترک لابدی۔

اساتذہ فن سہولت کے لیے بعض متروکات کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ قاعدتاً صحیح نہیں مگر ہم استعمال کرتے ہیں جیسا کہ شتر گربہ۔ عیوب میں داخل ہے مگر بعض اساتذہ کے یہاں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اور متبعین و تلامذہ تقلیداً استاد کے قدم بقدم چلتے ہیں۔ اسی طرح حروف اصلی کا گرنا۔ مثلاً لفظ (بانو) اس کا واؤ اصلی ہے مگر بعض اساتذہ نے گرایا ہے جس میں سے ایک حضرت انیس رحمہ اللہ بھی ہیں۔ کبرا کا الف اور پیری کی (یا) بھی گرانا جائز قرار دے لیا ہے۔ اسی طرح ان حروف کا بھی گرانا جائز قرار دے لیا ہے جو اصلی نہیں ہیں۔ جیسے سردی۔ تنہائی۔ گرمی کی (یا) اسی وجہ سے بوقت اصلاح نظر انداز کر گئے۔

یہ تب و تاب یہ دھوپ اور یہ میدان کی راہ کہیں سایہ نہ کہیں نخل نہ بستی کہیں آہ (۲۱)
جیٹھ بیساکھ کی یہ دھوپ پہاڑوں کی یہ راہ
~~سخت ہے~~ تندی پہاڑ ~~دھلکا~~ نہ سبزہ نہ گیاہ چمنستان محمدؐ کا نگہبان اللہ
نہ تو چشمے نہ کہیں چاہ

~~صفت لالہ ہیں داغ دیے~~ جاتے ہیں
ہے غضب شہر کو ویران کیے
شیر خواروں کو بھی ہمراہ لیے جاتے ہیں

مصنف کے مصرع اول میں کوئی عیب نہ تھا۔ حرف تب و تاب کو وزنی سمجھتے ہوئے اور میدان کی راہ میں خاص اہمیت سفر نہ پاتے ہوئے انیسؔ علیہ الرحمہ نے زبان کی چاشنی پیدا کرنے کے لیے جیٹھ بیساکھ کی دھوپ بنا دیا اور میدان کی راہ سے پہاڑوں کی راہ کو اہم سمجھتے ہوئے ترمیم فرمائی۔ مصرع میں خاصہ لوچ پیدا کر دیا۔ چونکہ تیسرے مصرع میں مصنف نے پہاڑوں کے راستے کی اہمیت کا تذکرہ فرمایا تھا۔ اور خود حضرت انیسؔ نے پہلے مصرع میں پہاڑوں کا راستہ یا راہ کو صرف کر دیا تھا۔ اسی لیے تکرار کے خوف سے تیسرے مصرع کا ایک جزو بدل کر ضروری سمجھتے ہوئے ایسے الفاظ کا استعمال کیا جن سے کلام میں زور پیدا ہو جائے۔ اور تکرار بھی دور ہو جائے۔ لہٰذا ”نہ تو چشمے نہ کہیں چاہ“ بنا دیا جس سے ایک خاص منظر کشی فرما دی۔

مصنف کے پانچویں مصرع کا بلکہ پورے بند کا تعلق اس کے قبل کے بند سے ہے یعنی ہمسائیاں آپس میں گفتگو کر رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ حسینؑ جا تو رہے ہیں مگر

(صفت لالہ ہمیں داغ دیئے جاتے ہیں) مصرع سے یہ پیدا ہو رہا تھا کہ حسینؑ اس طرح ہمیں داغ دیئے جاتے ہیں۔ جس طرح لالہ داغ دیتا ہے صفت لالہ سے یہ مفہوم پیدا ہو رہا تھا گو مصنف کا یہ مقصود نہ تھا دوسرا مطلب یہ پیدا ہو رہا تھا کہ جس طرح حسینؑ نے لالہ کو داغ دیا ہے ہمیں بھی داغ دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا شاعر اعظم نے ایسا مصرع بدلا جس سے کوئی بات خلاف پیدا ہی نہیں ہوتی یعنی (ہو غضب شہر کو ویران کیے جاتے ہیں۔) اس سے متکلم اور قائل کی بھی وضاحت ہو گئی یعنی جو کچھ پورے بند میں بیان ہے۔ یہ کسی قائل کا ہے اور وہ ماقبل کے بند میں وہ ہمسائیاں ہیں جو حسینؑ کا وطن سے جانا کسی طرح پسند نہیں کرتیں۔

چوتھا مصرع (چمنستان محمدؐ کا نگہبان اللہ) کوئی ترمیم نہیں فرمائی۔ یہ مصرع اتنا برمحل اور مناسب مقام ہے کہ جس کی داد ہر کس و ناکس نہیں صرف وہی ہستیاں دے سکتی ہیں جن کو خدا نے مذاق سلیم کی نعمت مرحمت فرمائی ہے اس مصرع میں زبان کی چاشنی خاصی طرح موجود ہے ایسے مصرعوں سے پتہ چلتا کہ جب ابتدا یہ ہے تو پھر انتہا کیا ہوگی

(۲۲) ~~ننھے بچوں سے بھلا اٹھے گی ایذائے سفر~~ — عادی آرام کے ہیں پلے ہیں یہ خوہ گر

~~نخل آرام کی ہے~~

فصل آرام کی ہے

سائے سے دھوپ میں آتے نہیں اکثر باہر — ٹھنڈے پانی کی طلب رہتی ہے ان کو دن بھر

~~کس طرح گرمی میں بیٹھے ان سے منازل ہوں گے~~

گرم ہوئے گی ہوا دھوپ میں محمل ہوں گے

پیاس کے یہ گل تازہ متحمل ہوں گے؟

حضرت انیس نے پہلے اصلاح فرما کے قلم زد فرما دی اور مصرع کو بحالہ باقی رکھا جیسا کہ ظاہر ہے یہی ٹکڑا جو پہلے مصرع میں بدلا تھا۔ دوسرے مصرع میں اضافہ فرما دیا۔ اور یہ اس لیے کیا کہ کسی وجہ سے بنا دیا تھا مگر خیال پیدا ہوا کہ جتنے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ ان کا کوئی موصوف ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ مصنف نے ننھے بچوں کو قرار دیا تھا۔ لہذا رہنے دیا۔

بیت میں ترمیم فرمائی یعنی مصرع پنجم کو بدل دیا۔ نہ اس لیے کہ مصنف نے گرمی کے حرف ی کو گرا دیا تھا۔ جو بعض اساتذہ عہد بلکہ اکثر کے نزدیک ناجائز تھا۔ بلکہ صرف اس لیے بدلا کہ غالباً منازل کا لفظ قدرے زبان کے لحاظ سے بھاری تھا لہذا ایسا مصرع بدلا جس سے سوالیہ صورت پیدا ہو جائے جو محل اور موقع کے اعتبار سے ضروری تھا۔

(۲۳) علی اصغرؑ کی طرف دیکھ کے شق ہوتا ہے دل ہائے یہ پھول سا بچہ ہے سفر کے قابل؟
یاں سے کیا سوچ کے جاتے ہیں امام عادل کسی جنگل میں نہ پانی ہو تو کیا ہے مشکل
غم سے بے چین محمد کا خلف ہو جائے
کوئی معصوم نہ رستے میں تلف ہو جائے

اس بند میں نہ کوئی عیب تھا نہ استاد نے اصلاح دی۔ بند برمحل اور مصرعے صاف تھے۔

(۲۴) سب سے فرماتی ہے یہ دختر سلطان عرب بی بیو کچھ مرا چارہ نہیں جو مرضی رب
~~بیکر ڈول آئے ہیں کوفے سے یہاں خط طلب ہو کے مجبور امام دو جہاں جاتے ہیں اب~~
خط پہ خط آئے ہیں کوفے سے طلب پر ہے طلب ہائے اب کعبہ کی طرف قافلہ ہے

رنج پہنچیں گے سفر میں کہ الم دیکھیں گے

کس کو معلوم ہے رحمت

جو خدا ہم کو دکھائے گا وہ ہم دیکھیں گے

مصنف نے واقعہ نگاری کا صحیح مرقع پیش کیا ہے۔ یعنی وقتِ رخصت جب اہلِ ہمسایہ اپنے جذبات کو ظاہر کر چکے تو جواباً مسافر کو بھی ایسے کلمات کہنا ضروری ہیں جن سے دوست رکھنے والوں کو کسی قدر تسکین ہو جائے۔ اور سفر کی اہمیت ظاہر ہو جائے حسینؑ کا سفر ہے۔ جبھی تو بہن کو ہمراہ لیے جاتے ہیں۔ ایسی وفادار بہن جس نے زندگی بھر حسینؑ کا کسی عالم میں ساتھ نہ چھوڑا لیکن بعد شہادت بھی سلسلہ صبرِ حسینؑ کو اتنی مضبوطی کے ساتھ قائم رکھا جو سلسلہ دربارِ یزید و ابنِ زیاد میں بھی اسی طرح قائم رہا۔ ایسی عدیم المثال بہن۔ اہلِ محلہ ہمسایہ عورتوں کے جواب میں کہتی ہے کہ وہ آقا شہدائے سفر پیشِ نظر ہیں فصلِ گرما ہے بظاہر سفر کا موقع نہیں مگر بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں۔ اس لیے کہ پالنے والے کی یہی مرضی ہے کہ اس زمانے میں سفر کیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اہلِ کوفہ جو طالبِ ہدایت ہیں اور بیعت کے متمنی ہیں اُن کے لاتعداد خطوط مجبور کر رہے ہیں کہ جانِ رسولؐ اُن کی ہدایت کرے اور ضرور کرے جیسا کہ اُس کا فرض ہے۔

اس محل پر مصنف علیہ الرحمہ نے تیسرے مصرع کو ایک محدود صورت کے ساتھ نظم فرمایا تھا یعنی اہلِ کوفہ نے سیکڑوں خط بھیجے ہیں اور بلانے کی انتہائی خواہش ظاہر کی ہے۔ بظاہر مصرع میں کوئی عیب نہ تھا۔ بس خود طالب کا ہونا ضروری

قابل لحاظ تھا۔ اس لیے کہ لفظ (خط) کی طا کو مشدد کر دیا تھا جو انیس علیہ الرحمہ کو کھٹکا۔
اور اسی ثقل کو دور کرنے کیلئے اہل کوفہ کی طلب کو اس منزل پر بتانے کی کوشش کی ہے
جہاں تعداد کی گنجائش نہیں۔ یعنی یوں ہوا ؎

خط پہ خط آئے ہیں کوفے سے طلب پہ ہے طلب

مقصود اور مصرع کی شان دوبالا ہو گئی۔

اب جناب زینبؑ عورتوں سے خطاب فرماتے ہوئے فرماتی ہیں کہ ؎

ہو کے مجبور امام دو جہاں جاتے ہیں اب

مصرع بہر حال مناسب اور صحیح تھا لیکن اصلاح کی وجہ خاص یہ ہوئی کہ مصنف کا مصرع یہ بتاتا تھا کہ چونکہ اہل کوفہ نے تاکیدی صورت سے بلایا ہے۔ لہٰذا بمجبوری امام دو جہاں جاتے ہیں۔ یہ واضح نہیں ہو رہا تھا کہ کہاں جاتے ہیں بلکہ یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ جب اہل کوفہ نے بلایا ہے تو کوفے جا رہے ہیں۔ یہ واقعے کے خلاف تھا۔ بلکہ حقیقتاً حسینؑ کا رخ مکۂ معظمہ کی طرف تھا۔ اس کی وضاحت ضروری تھی لہٰذا انیس رحمہ اللہ نے مصرع چہارم میں ترمیم فرما دی اور یوں فرمایا کہ ؎

یاں سے کعبہ کی طرف قبلۂ دیں جاتے ہیں اب

اس کی سخت ضرورت تھی کہ سمت سفر بتا دی جائے۔ مصرع کا حُسن اس رعایت نے اور دوبالا کر دیا کہ کعبہ کی طرف قبلۂ دین (حسینؑ) سفر فرما رہے ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ کے پانچویں مصرع ؎ رنج پائیں گے سفر میں کہ الم دیکھیں گے سے صاف ظاہر ہوگا کہ فوشتی اور اشتدا ایک خاص چیز ہے۔ سفر میں رنج پانا، الم

دیکھنا دونوں ایک ہیں۔ بلکہ ایک ٹکڑا زائد ماننا پڑے گا۔ حضرت انیس رحمۃ اللہ نے جو اصلاح فرمائی ہے۔ یعنی ؎ کس کو معلوم ہے راحت کہ الم دیکھیں گے۔ اب پانچویں مصرع میں جان پڑ گئی۔ یعنی خدا معلوم کہ سفر میں راحت نصیب ہوگی کہ رنج و الم کا سامنا ہوگا۔ عموماً اہل زبان ایسے محل پہ اسی طرح بولتے ہیں۔ نہ اس طرح کہ خدا معلوم اس سفر میں آرام ملے یا تکلیف کا سامنا ہو۔

جناب مصنف کا چھٹا مصرع بہت صاف اور قابل تعریف ہے۔ یعنی ؎

جو خدا ہم کو دکھائے گا وہ ہم دیکھیں گے

(۲۵) رہنے دیتے نہیں یثرب میں ہمیں بانیٔ شر ~~شہ مظلوم کی غربت پہ ہیں سو ٹکڑے جگر~~
ٹکڑے ہوتے ہیں مسافر کی غریبی پہ
سیکڑوں خوف ہیں اس کوچ میں لاکھوں ہیں خطر جس کی نانا نے خبر دی تھی وہی ہے یہ سفر
دیکھیں کیا گردش گردوں ہمیں دکھلاتی ہے
اب تو تقدیر مدینے سے لیے جاتی ہے

جناب زینبؑ فرما رہی ہیں کہ ہم تو سفر نہ کرتے مگر بانیٔ شر یعنی دشمن دین خدا ہمیں ہمارے وطن مالوف میں رہنے نہیں دیتے۔ ایک قسم کی مجبوری کا اظہار فرما رہی ہیں مصنف کے دوسرے مصرع پہ اصلاح کی گئی ہے۔ مصرع مصنف یہ ہے کہ ؎ شہ مظلوم کی غربت پہ ہیں سو ٹکڑے جگر۔ اس مصرع سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ جناب زینبؑ فرما رہی ہیں۔ کہ مظلوم بھائی کی غربت پہ میرا جگر سو ٹکڑے ہے۔

حضرت انیسؔ نے مصرع بدل کے اور ترقی فرما دی یعنی ؎ ٹکڑے ہوتے ہیں مسافر

کی غریبی پہ جگر ۔ اب صاف ظاہر ہو گیا کہ میرا بھائی ایسا مجبور اور غریب ہے کہ اس کی غربت پر صرف عاشق ہی نہیں بلکہ ہر دیکھنے والے کا جگر ٹکڑے ہو رہا ہے واقعی ایک جان ڈال دی ۔ اصلاح اسی کا نام ہے ۔ باقی مصرع نہایت مناسب اور براق تھے لہذا رہنے دیئے ۔

۲۶ مجھ سے اماں نے یہ فرمایا تھا ہنگام وفات — دم ہے اس لال کے تھی فاطمہ زہرا کی حیات
~~بعد میرے جو ہو بے چین~~ یہ عالی درجات — چھوڑنا ساتھ نہ شبیر کا اے نیک صفات
شہر سے نکلے جو گھبرا کے

دل پہ داغ اس کی جدائی کا لیے جاتی ہوں
~~بھائی کو تیرے حوالے~~ کیے جاتی ہوں
میں ترے ہاتھ میں ہاتھ اس کا دیئے

جناب مصنف نے جس مصرع کو دوسرا مصرع قرار دیا ہے ۔ اُسے پہلا مصرع ہونا چاہئے تھا ۔ حضرت انیس نے غالباً تعجیل میں اس تاخیر پر نظر نہیں فرمائی ۔ نمبر ۲ مصرع پہلے مصرع کے بعد بے ربط ہے ۔ اور ما بعد کے مصرعوں کو بے ربط کئے دیتا ہے ۔ دوسرے مصرع کو پہلا مصرع قرار دے کے پڑھیئے تو بات اور ہی ہو جاتی ہے ۔

نمبر ۳ مصرع میں اصلاح فرمائی ہے ۔ مصنف کا مصرع ڈھیلا تھا زور پیدا کرنے کے لیے اس ٹکڑے کا اضافہ کیا (شہر سے نکلے جو گھبرا کے) چونکہ چوتھے مصرع میں ساتھ نہ چھوڑنے کی تاکید ہے اس لیے شاعر اعظم کا بڑھایا ہوا ٹکڑا نہایت مناسب ہے ۔ بے چینی سے اور ساتھ نہ چھوڑنے سے کوئی خاص ربط نہیں ۔

(تنبیہ)

تیسرے مصرع میں درجات قافیہ ہے چوتھے مصرع میں صفات قافیہ ہے۔ درجات درجے کی جمع۔ صفات صفت کی جمع۔ صرف الف و تا۔ دونوں میں علامت جمع ہے۔ لہذا تکرار قافیہ ہو گئی اسی کا نام ایطا ہے۔

یہ بات کلام میں تھی۔ اصلاح بھی باقی رہ گئی جو نہ رہنا چاہیے تھی۔ اسی کو تسامح کہتے ہیں شاعر اعظم نے نمبر چھ مصرع نیا کہکر ترمیم فرمائی۔ اس لیے کہ مصنف کے مصرع میں یہ بات واضح نہیں ہو رہی تھی کہ تیرے بھائی کو حوالہ کیے جاتی ہوں یا اپنے بھائی کو ایسا ابہام قدما درست نہیں سمجھتے تھے۔ اگر (بھائی کو تیرے) اس ٹکڑے میں تیرے سے مراد تیرا بھائی ہے یعنی برادر جناب زینبؑ۔ کون سید الشہدا اگر تو اس طرح نظم فرمانا چاہیے تھا (تیرے بھائی کو حوالے ہیں کیے جاتی ہوں) صورت موجودہ میں تعقید لفظی تھی لہذا استاد نے مصرع کا ٹکڑا جز بدلا یعنی (میں ترے ہاتھ میں ہاتھ اس کا دیے جاتی ہوں) اب بند میں چار چاند لگ گئے۔

(۳) ~~بخت ہمشیر کی کیا ہی ہے خبردار ذرا~~	~~جان محبوب خدا ہی یہ مرا ماہ لقا~~
انیسؔ پسر فاطمہ زہرا کی نگہبان رہنا	تیرے قربان میں شبیر پہ قربان رہنا
نفیسؔ ~~ان کی رہ تکتے رہے ہم کبھی غافل نہ رہنا~~	~~درد سے تڑپے گی مری گر اسے دے گی ایذا~~
انیسؔ رنج پہونچے نہ اسے تا بہ رگ جاں رہنا	نہ رہے یہ جو وطن میں تو نہ تو یاں رہنا

ماں سے چھٹے وطن چھوٹا میں بھائی کو نہ جانے دونگا۔
میرے بچے پہ کوئی آنچ نہ آنے دینا

مصنف رحمۃ اللہ کے چاروں مصرعے ابتدائی غیر مردف ہونے کی وجہ سے اور بے ترتیب قوافی کے لحاظ سے سُست اور پھیکے تھے بڑی محنت سے حضرت انیس نے چاروں مصرعے بدلے اور غیر مردف مصرعے بدل کے چاروں مصرعوں کو مردف کر کے زور پیدا کیا اس لیے بھی مردف کیا۔ اور چاروں مصرعے کاٹ دیئے کہ مصرع اولیٰ میں یہ نکتہ (اُسپر فاطمہ زہرا کی نگہبان رہنا) اس سے یہ واضح ہوتا تھا کہ حکم دینے والا کوئی اور ہے اور فاطمہ زہرا کوئی اور۔ درانحالیکہ دونوں ایک ہیں۔

حضرت انیس نے بیت کے پہلے مصرع میں یعنی پانچویں مصرع میں لفظ (سایہ) پر حرف (خ) بنایا ہے۔ اور (دھوپ) پر حرف (میم) بنا دیا۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ جس پر حرف میم بنا ہے اسے مقدم ہونا چاہیئے اور جس پر حرف (خ) بنا ہے اُسے مؤخر ہونا چاہیئے

ع دھوپ میں سائے سے بھائی کو نہ جانے دینا

اساتذہ متقدمین اپنی سہولت کے لیے صرف حروف مذکورہ بنا کے مقدم و مؤخر کر دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ بند پر لکھے ہوئے حروف سے ظاہر ہو رہا ہے۔

(۲۸) یہی اک بھائی ہے جس سے دل زینب کو ہے کل | یہ گیا گھر سے تو پھر کون سا راحت کا محل
دکھ یہ دکھ ہوئیں کہ آرام میں آجائے خلل | ہو سفر یا کہ حضر دشت بلا ہو کہ جبل

منھ کو شبیر کی خدمت سے نہ موڑوں گی میں
ساتھ فرزند پیمبر کا نہ چھوڑوں گی میں

اب جناب زینب اہل بھایہ عورتوں سے فرماتی ہیں کہ یہی ایک بھائی ایسا ہے جس سے دل زینب کو کل ہے۔ یعنی سکون تام۔ دوسرے مصرع کی ترکیب یعنی (کون سا

راحت کا محل) ممکن ہو کہ پہلے اس طرح اس محل پر بولتے ہوں۔ اب یہ متروک ہو۔ تیسرے مصرع میں (دکھ بیر دکھ ہوئیں) اب اس محل پر (دکھ یہ دکھ ہوں) بولتے ہیں (ہوئیں) متروک ہو۔ اس عہد میں بھی جب یہ مرثیہ نظم ہوا ہو۔ بعض بلکہ اکثر اساتذہ لکھنؤ ایسی چیزوں کو متروکات میں داخل کر چکے تھے خود خاندان انیس نفیس تک یہ رسم کہنہ جاری رہی۔ ان کے بعد اکثر و بیشتر متروکات پر خاندان انیس کو عمل کرنا پڑا۔ پھر بھی خاندانی لاج باقی رکھتے ہوئے بکثرت چیزیں جو مابہ النزاع تھیں ان کو آخر دم تک باقی رکھا گیا۔

(تنبیہ)

یہ بند مصنف نے موقع و محل اور ربط کے لحاظ سے نظم فرمالیا۔ ورنہ کوئی خاص بات اس بند میں نہیں۔ نہ کوئی عیب ہو۔ مصلح نے کسی مصرع پر قلم نہیں اٹھایا۔

(۴۹) اب دعا مانگو یہ بہنو کہ مبارک ہو سفر
پہونچے راحت سے جہاں جاتا ہے زہرا کا قمر
ظلم سے آرام سے ~~ہر منزل~~ پر خوف و خطر
~~خیر سے سب کی رہے یہ چین ظفر ہو سفر~~
جو راہ ہو
راہ روکے نہ مسافر کی کوئی لشکر

~~واں سے ہم پھر کے نہ اندوہ و محن میں آئیں~~
سرخرو فاطمہ کے پھول حسن
پھر مع الخیر حسین اپنے وطن میں آئیں

اب جناب زینب فرماتی ہیں کہ بہنو یہ دعا مانگو کہ یہ سفر مبارک ہو۔ مصنف نے نہایت ربط و ضبط کا لحاظ رکھتے ہوئے مصرع ثانی نکالا۔ مگر حضرت انیس کی دوربین

نظر نے لفظ (قمر) کو نامناسب سمجھتے ہوئے قلمزد کر دیا اور (سپہر) کا لفظ اس کے بجائے رکھدیا۔ جو انتہائی مناسب مقام ہے۔ تیسرے مصرع میں لفظ (رہبر منزل) کو قلمزد فرمایا ہے اور (جو رہ رو ہے) بنایا ہے۔ دونوں درست اگر مصنف کا بھی رکھا رہے۔ تو کوئی عیب نہیں۔ مصرع چہارم کی ترمیم حضرت انیس نے خاص طور سے فرمائی ہے اور نہایت نفیس اشارہ حُرّ اور لشکر حُرّ کی طرف کیا ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی مصرع بدلا کہ مصنف نے (رنج ہو شر) نظم فرمایا تھا جو کہ غالبًا زبان کے اعتبار سے اُستاد نے وزنی پاتے ہوئے بدل دیا۔ مُصنف کا مصرع نجم بھرتی کا مصرع تھا جسے خانہ پُری کہتے ہیں مصلح نے نہایت لطیف و نازک مصرع بدل دیا۔

بخدا ہے مجھے تم سب کی جدائی کا ملال ~~ہر گھڑی راہ میں آئے گا تمھارا ہی خیال~~ (۳۰)
رووں گی راہ میں جب آئے گا تم سب کا
~~ساتھ سب کو لیے جاتا ہے شہ نیک خصال~~ پر ہے بیمار کی فرقت کا قلق دل کو کمال
اور سب جاتے ہیں ہمراہ بھائی بھی ~~رہ جاتے~~ روتے ہیں اُس بیکس ~~تنہا~~ کیلئے
قلق ہوا جاتا ہے (ہوئے جاتے) دل فاطمہ صغرا کیلئے

حضرت انیس نے دوسرے مصرع کو قافیہ باقی رکھتے ہوئے بدل دیا۔ اگر مصنف ہی کا مصرع باقی رہتا تو قباحت نہ تھی۔ تیسرے مصرع کے نصف اوّل حصہ کو بدلا گیا اس لیے کہ مصرع اور بندش کچھ مناسب نہ تھی۔ اُسے نرم کر دیا۔ پانچواں مصرع میں اُستاد نے (روتے) کے محل پر (کڑھتے) بنا دیا۔ صرف اس لیے کہ حسین کے لیے رونا کوئی خاص چیز نہیں۔ کڑھنا ایک ہوا ور اور صبا رکھے لیے تار دو انہیں لفظ نہایت مناسب

بدلا۔ عہد انیس میں بعض مستند اُستاد ایسے بھی تھے جو کرُ ھنے کے بجائے۔ رونا ہی کہتے یا دوسرے الفاظ استعمال کرتے مگر کُڑھنا نظم نہ کرتے۔

(۳۱) بی بیاں روتی ہیں سُن سُن کے یہ زینبؑ کا بیاں
گود میں فاطمہ صغرا کو لیے بیٹھی ہے ماں
یہ تو ظاہر ہے کہ جاتے ہیں امام دو جہاں
پر ابھی اپنے نہ جانے کا نہیں حال عیاں
ہے گماں یہ کہ نہ بابا مجھے رلوائیں گے
ساتھ اپنے سفر دیں مجھ کو بھی لیجائیں گے

جناب مُصنف نے مصرع اوّل کے شروع میں بی بیوں کا لفظ صرف فرمایا ہے یہ لفظ مخصوص اہلبیتؑ کے لیے ہے اگر عورتوں کا لفظ استعمال ہوتا تو مناسب تھا کیونکہ یہ شہر کی عورتیں ہیں جو ہمدردی کے عنوان سے آئی تھیں اور جناب زینب وجہ سفر بیان فرما رہی تھیں۔ جناب انیس نے اس لیے توجہ نہیں فرمائی کہ بی بیوں کے استعمال میں قباحت نہیں۔ بند کے کسی جزء پر اصلاح نہیں دی۔ اس بند میں ایک خاص بات اور ہے جس پر جناب مصلح نے نظر نہیں فرمائی ورنہ ضرور کسی نہ کسی ایسے لفظ کا اضافہ فرماتے جس سے وضاحت ہو جاتی۔ وہ یہ کہ پہلے مصرع میں جناب زینبؑ سے سُن سُن کے عورتیں رو رہی ہیں۔ ماقبل سے نہایت مربوط مصرع ہے۔ دوسرے مصرع میں جناب فاطمہ صغرا کو ماں گود میں لیے بیٹھی ہے۔ بس اسی قدر تذکرہ کیا ہے۔ لیکن تیسرا مصرع (یہ تو ظاہر ہے کہ جاتے ہیں امام دو جہان) اس کے قائل کا تذکرہ نہیں۔ اس کی وضاحت نہیں کہ یہ کس نے کہا ضرورت اور شدید ضرورت اس کی تھی کہ فاطمہ صغرا کہیں۔ گو چوتھے پانچویں چھٹے مصرع سے یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ ہو نہ ہو فاطمہ صغرا ہی ہوں اس لیے کہ

ان کے حالات پر دنیا کی پھپنے سے نظر ہو۔ لیکن نظم میں یہ اخفا کافی نہیں ہوتا۔ سوائے اس محل کے نہ حضرت نفیس نہ حضرت انیس نہ دیگر اساتذہ کے یہاں ایسی صورت ملے گی

اگر پہلے مصرع میں قافیہ (بیاں) نہ ہوتا تو دوسرے مصرع کو اس طرح ہونا چاہیئے تھا (گود میں ماں کی یہ ہے فاطمہ صغرا کا بیاں) اب وہ کمی جس کا تذکرہ کیا گیا ہے باقی نہیں رہتی۔ اس کی شدید ضرورت تھی۔ معاذ اللہ اس مصرع سے اصلاح مقصود نہیں بلکہ بطور مثال لکھا گیا۔

ماں کا منھ دیکھ کے کہتی ہے کہ میں تم پہ فدا
گھر میں باہر سے ابھی کیا نہیں آئے بابا
کوچ میں سید ابرار کے اب دیر ہے کیا
دیکھ کے تم مجھے کس واسطے کرتی ہو بکا
~~تندرست~~ اب تو ہوں منھ اشکوں سے دھونا کیسا

اب تو صحت سے

میں تو صاحب آپ کے جیتی ہوں یہ رونا کیسا

جناب مصنف نے اس بند کا ربط ماقبل کے بند سے قائم کیا ہے وہ بند جس میں کوئی تذکرہ قائل کا نہیں ہے۔

جناب انیس نے پانچویں مصرع میں ایک چیز کی ترمیم کی ہے (اب تو صحت سے بدلا) بظاہر کوئی خاص اصلاح نہیں لیکن پھر بھی (تندرست اب تو ہوں) کے بجائے (اب تو صحت سے) ہونا بہت صاف اور مدھم ہے یہی خوبی اصلاح ہے۔

(تنبیہ)

جناب مصنف نے فاطمہ صغرا کی گفتگو جو ماں سے ہو رہی ہے (تم) کے لفظ سے

شروع کی ہے۔ چوتھے مصرع میں بھی ماں سے (تم) کرکے خطاب کیا ہے۔ لیکن چھٹے مصرع میں (آپ) کرکے خطاب کیا ہے۔ تمام کتابوں میں اس عیب کو شترگربہ کہا گیا ہے۔

شترگربہ اسے کہتے ہیں کہ ایک بند یا ایک شعر میں ایک جگہ آپ سے بات کی جائے دوسری جگہ تم سے یا تو سے یا اس کا عکس ہو۔ یا ایک بند یا ایک شعر میں متکلم ہم سے کلام شروع کرے یعنی پہلے مصرع میں (ہم) کا لفظ استعمال کرے اور دوسرے مصرع میں (مجھ) کا لفظ یا (میں) لائے یہ بھی شترگربہ ہے۔ نظم تو نظم اگر گفتگو میں کوئی شخص اس طرح بولے کہ میں آپ سے ملنے گیا تھا مگر ہماری تقدیر ہی خراب ہے ملاقات نہ ہو سکی۔ سماعت پر کس قدر بار محسوس ہوتا ہے۔ یہ تو شترگربہ ظاہری کی مثال تھی۔ ایک شترگربہ باطنی ہوتا ہے جیسے حضرت نقیبؔ کے جانشین و فرزند ارجمند حضرت دولہا صاحب عروجؔ کے سلام کا مطلع

قبر میں بھی جا کے لطف ہم نشینی پا گئے
دو گھڑی آکر فرشتے دل مرا بہلا گئے

مطلع عمدہ ہے مگر شترگربہ باطنی ہے۔ اس لیے کہ پہلے مصرع کے پڑھنے یا سننے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ (قبر میں بھی جا کے لطف ہمنشینی پا گئے) یعنی ہم اور دوسرے مصرع میں صاف صاف ہے کہ فرشتے دل مرا بہلا گئے۔ تو پہلے مصرع سے ہم نکلتا ہے اور دوسرے میں مرا موجود ہے۔ یہ بھی صورت اگر نہ ہو تو مناسب ہے۔

شترگربہ کی دو قسمیں ایک ظاہری دوسری باطنی کسی کتاب میں نہیں ملیں گی صرف عوام کے سمجھانے کے لیے اس محل پر بنائی گئی ہیں۔ امید ہے کہ اس جسارت کو اہل فن معاف

فرمائیں گے۔ ان حضرات پر اعتراض اس لیے نہیں کیا جاسکتا کہ شتر گربے کو یہ حضرات معیوب نہیں سمجھتے تھے۔

(۳۳) مادر، ساتھ لے لیجئے ٹھنڈائی کی دوا ہمراہ میرا اسباب ابھی کیا نہیں بھیجا باہر
نہ کراہوں گی نہ اب رونگی میں خستہ جگر ہے یقیں صحت کامل مجھے بخشے گا سفر
اب تو طاقت بھی ہے کچھ فضل خدا سے مجھ میں
جان آجائے گی جنگل کی ہوا سے مجھ میں

اس بند پر حضرت انیس نے خاص طور سے صاد بنایا ہے۔ واقعاً موقع کے لحاظ سے بند بھی عمدہ ہے۔ اصلاح کہیں نہیں ہے۔

(۳۴) ٹھنڈا دل سوزاں کو ہوگا دیکھ کر نہروں کو سبزے کی ہوا
تازگی دے گی مری روح کو سبزے کی ہوا
جنگل
دفع گل بوٹوں سے ہوگی خفقاں کی ایذا
درد سر کھوئے گی صندل کے درختوں کی ہوا
دم چڑھے گا نہ دل الجھے گا نہ گھبراؤں گی
چین سے آپ کے ہمراہ چلی جاؤں گی

بند کے پہلے مصرع اور تیسرے مصرع میں ایک ہی قافیہ ہو یعنی ہوا، غالباً بلکہ یقیناً پہلے مصرع میں فضا کا قافیہ ہے یہ ناممکن ہے کہ انیس سا استاد اصلاح دے اور سامنے کی بات رہ جائے۔

حضرت انیس نے پہلے مصرع میں سبزے کا لفظ کاٹ کے جنگل بنایا۔ کیا کہنا جان ڈال دی۔ اہل نظر ہی اس محل پر اس لفظ کا وزن سمجھ سکتے ہیں۔

(۳۵) دے گا طاقت مجھے معبود قوی گو ہوں ضعیف پہلی منزل ہی میں ہو جائے گی مجھ کو تخفیف

بار ہونگی نہ کسی پہ کہ میں ہوں آپ نحیف میرے باعث سے نہ فضہ کو بھی ہوگی تکلیف
تن رنجور میں طاقت کچھ اگر پاؤں گی
آپ منزل ہی میں خود حجرے سے اتر آؤں گی

اس بند پر نہ صاد بنایا نہ اصلاح دی۔ بند محل کے اعتبار سے اچھا ہے۔

(۳۶) سب کی راحت کا رہے گا مجھے رستے میں خیال کھانا کھلواؤں گی بابا کو بلا کر ہر حال
جس جگہ راہ میں اتریں گے شہ نیک خصال پاؤں ہاتھوں سے دھلاؤں گی خوشی ہوگی کمال
یہ سفر خوب ہے تحصیل سعادت کے لیے
بیٹیاں ہوتی ہیں ماں باپ کی خدمت کے لیے

حضرت مصنف نے چوتھے مصرع میں پاؤں دھلانا ہاتھوں سے نظم کیا ہے۔ صرف یہی کافی تھا کہ پاؤں دھلاؤں گی۔ اس لیے کہ پاؤں ہاتھوں ہی سے دھلائے جاتے ہیں فیصلہ اہل نظر کے سپرد۔ اعتراض اس لیے نہیں ہو سکتا کہ حضرت انیس نے اصلاح نہیں فرمائی۔

(۳۷) بہلے گا دل کہ بلا ہے علی اصغر مجھ سے ~~ہونگی راحت کہ ہیں مانوس بہادر مجھ سے~~
راحتیں پہونچیں گی اکبر کو سراسر مجھ سے
کاکلیں آکے سلجھواتے ہیں اکثر مجھ سے ہر سحر کہتے ہیں بھیا علی اکبر مجھ سے
دل پریشانی کے پیچوں سے نکل جاتا ہے
کنگھی تم کرتی ہو بالوں میں تو چین آتا ہے

حضرت شاعر اعظم نے دوسرے مصرع کو بدلا ہے۔ اور لفظ اکبر کے ساتھ بدلا ہے اتفاق سے مصنف چوتھے مصرع میں اکبر قافیہ لائے ہیں۔ اصلاح میں لفظ اکبر کا یا تو اضافہ نہ ہوتا

یا چوتھے مصرع سے اکبرؑ کا لفظ نکل جاتا ۔ تو مناسب تھا بہرحال صحیح اس لیے ہے کہ حضرت انیسؔ کی اصلاح ہے ۔ حضرت انیسؔ سر اسر کا قافیہ اس لیے لائے ہیں کہ مصنف کے بند میں کاکل اور کنگھی کا تذکرہ ہے ۔ یہ قدیم طرز شاعری ہے ۔ مصنفؔ کا مصرع بھی اپنے مقام پر صحیح ہے مصنف نے تیسرے مصرع میں (آ کے) صرف کیا ہے یعنی آ کے کاکلیں سلجھواتے ہیں (آ کے) زائد ہے لیکن آج قدر کافی ہے کہ کاکلیں سلجھواتے ہیں ۔ گو یہ عیب نہیں ہے ۔

(۳۸) کہہ گئے یہ بولی سکینہ سے وہ شہ کی دلدار
کیوں بہن کس کی سواری میں کہو ہو گی سوار
~~والدہ پاس رہو گی کہ پھوپھی کے ہیں نثار~~ پاس مادر کے
ہم تو اماں ہی کے ہیں ساتھ کہ ہیں لیل و نہار

~~پاس اصغر ہے نہ کس طرح بھلا دل بہلے~~
دشت کی سیر سے دم بھر تو
~~میری محمل میں جب تم بھی ہو تو کیا دل بہلے~~
ایک محمل میں جو ہم تم ہوں

مصنف کے تیسرے مصرع کا پہلا ٹکڑا ذرا نامناسب تھا ۔ حضرت انیسؔ نے نرم کر دیا اصلاح کا جو فائدہ ہے حاصل ہو گیا مصنف نے پانچواں مصرع بالکل ڈھیلا کہا تھا اور چونکہ تیسرے مصرع میں (پاس) کا لفظ حضرت انیسؔ لے آئے تھے اس لیے پانچویں مصرع سے پاس کا لفظ بھی نکالنا تھا تاکہ تکرار غیر مفید لازم نہ آئے ۔ جناب انیسؔ نے چھٹے مصرع میں اصلاح فرمائی یعنی (ایک محمل میں جو ہم تم ہوں) بہ ظاہر اس لیے بدلا کہ مصنف نے چوتھے مصرع میں (ہم) کا لفظ استعمال کیا تھا اور چھٹے مصرع میں (میری) جو

یقیناً شترگربہ تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہے اس لیے کہ اسے جائز قرار دے لیا تھا خود حضرت انیسؔ پابند نہ تھے تو فرزند کو پابند کیوں کرتے۔ لیکن میرا یقین ہے کہ شترگربہ دور کرنے کے لیے ہی بدلا۔ اور اس بدلنے سے چونکہ زور پیدا ہو رہا تھا اس لیے پابندی قواعد بھی ہو گئی اور سستی نظم بھی دور ہو گئی۔

(۳۹) کہا بانو نے کہ صغرا ترے صدقے مادر — بچی علالت سے تمھاری مرا ہو ٹکڑے جگر
تم چلو ساتھ تو ہے اس سے بھلا کیا بہتر — بس مجھ سے کیا کہتی ہو مالک ہے شہ جن و بشر
دیکھیں اس شہر سے کس طرح نکلنا ہوگا
لے چلیں گے تمھیں آنکھوں پہ جو چلنا ہوگا

مصنف نے پہلے مصرع میں (ترے) صرف کیا ہے۔ دوسرے مصرع میں (تمھاری) صریح شترگربہ ہے جو کسی طرح کانوں کو بھلا نہیں لگتا مگر انیسؔ نے رہنے دیا۔ مصرع ثانی کو مختصر سی اصلاح سے مزین فرما دیا۔ چھٹے مصرع میں مصنف نے لے چلنے کو آنکھوں سے کے ساتھ نظم کیا تھا۔ حضرت انیسؔ نے موافق محاورہ بنا دیا۔ لاجواب اصلاح دی۔ مصنف نے بیٹی کی گفتگو ماں سے نظم کی درمیان میں حضرت سکینہ سے گفتگو نظم کی اس کے بعد ہی دوسرے بند کو یوں شروع کیا کہ (کہا بانو نے کہ صغرا ترے صدقے مادر) قدرے بے ربطی سی ہو گئی۔ بلکہ یوں ہونا چاہیے تھا کہ جب صغرا اپنی بہن سکینہ سے کہہ چکی تو کہا مادر نے لیکن خیر بڑوں کی بڑی بات جب جناب انیسؔ نے نہیں بدلا تو مجال گفتگو نہیں۔

(۴۰) کیا عجب ہے جو تمھیں لے چلیں سلطان جلیل — خوف اگر ہے تو یہی ہے کہ بہت تم ہو علیل
زرد رخ ہے یہ سراسر ہے نقاہت کی دلیل — اس سفر میں ہے فزوں رنج تو آرام قلیل

~~سب کی ہمراہی کا ساماں تو کیا ہے تم نے~~

تب سے دن رات بڑا رنج سہا

اپنے بابا سے بھی جانے کو کہا ہے تم نے

جناب مصنف نے (کیا) اور (کہا) بیت میں ثانیے نظم فرمائے تھے بظاہر تو عیب تھا لیکن حضرت انیسؔ نے پانچواں مصرع بدلتے ہوئے (سہا) کا قافیہ نظم فرما کے جان ڈال دی اور ہمراہی کی (کیا) جو گریہ ہی تھی اس کو بھی نکال دیا۔ پانچواں مصرع بہت سست تھا جسے جناب انیسؔ نے بلند کر کے معیاری مصرع کر دیا۔

بیٹھ کے پاس یہ صغرا سے سکینہ نے کہا ہاں بہن تم بھی چلو ہے یہی خالق سے دعا (۴۱)

لے کے صغرا کی بلائیں یہ پکاری گھبرا لے چلیں گے تمھیں ساتھ اپنے مقرر بابا

~~تم سے الفت ہے جو بابا اس سے نہ منھ موڑیں گے~~

ہے یقیں تم سے کبھی منھ نہ پھیریں گے

ایسے بیمار کو یاں کس پہ بھلا چھوڑیں گے

مصنف علیہ الرحمہ (موڑ) میم واؤ کے ساتھ لکھتے تھے۔ جناب انیسؔ علیہ الرحمہ (منھ) میم نون کے ساتھ لکھتے تھے۔

چونکہ جناب بانوؑ اور جناب صغراؑ سے گفتگو ہو رہی تھی اس لیے اس بند میں ضرورت اس کی تھی کہ (جب بانو صغرا سے کہہ چکیں) تو (بیٹھ کے پاس یہ صغراؑ سے سکینہ نے کہا) مگر خیر یوں بھی کام چل گیا۔ پانچواں مصرع بدلا۔ اور ایسے الفاظ استعمال کیے جس سے مایوس دختر کو قدرے اطمینان ہو جائے۔ اور مصرع صاف بھی ہو جائے۔

(۴۲) ذکر یہ تھا کہ شہ یثرب و بطحا آئے | گھر میں غمگین و حزیں سیّدِ والا آئے
کہا مادر سے سکینہ نے کہ بابا آئے | بولی بیمار کہ ہاں میرے مسیحا آئے

شہ نے زینبؑ سے کہا اور قلق بڑھتا ہے
آؤ صغرا سے بھی رخصت ہوں کہ دن چڑھتا ہے

یہ بند نہایت صاف اور بے عیب تھا، کہیں اصلاح کی ضرورت نہیں پڑی۔

(۴۳) در پہ تیار ہیں سب محمل و ہودج خواہر | ~~بار اونٹوں پہ بھی سب ہو چکا~~ اسباب سفر
رفقا اونٹوں پہ لدوا چکے
ہر طرف کھنچ گئیں پردے کی قناتیں باہر | سب احباب سے بھی رخصت ہوا یہ خستہ جگر

مرحلہ گھر سے نکلنے کا غضب ہوتا ہے
ہائے صغرا کے لیے سینے میں دل روتا ہے

مصرع ثانی میں (بھی) کا لفظ زائد تھا اس لیے شاعر اعظم نے مصرع صاف کر دیا
مصرع چہارم میں بھی (بھی) کا لفظ کسی قدر زائد معلوم ہوا اور (احباب) کا لفظ زبان کے اعتبار سے ثقیل سمجھتے ہوئے یوں بنا دیا (اپنے احباب سے رخصت ہوا یہ خستہ جگر)

(۴۴) کہہ کے یہ آئے قریب فاطمہ صغرا کے امام | کانپتے ہاتھوں سے بیٹی نے کیا اٹھ کے سلام
بولے چھاتی سے لگا کے یہ شہ عرش مقام | بیٹھو بیٹھو کہ بدن ضعف سے لرزاں ہے تمام

جو مقدر میں ہے وہ رنج نہیں ٹلتا ہے
تپ سے تم جلتی ہو غم سے مرا دل جلتا ہے

بند بہت سی خوبیوں کا حامل تھا اس لیے اصلاح نہیں دی۔

کہہ کے یہ بیٹھ گئے پاس امام دوسرا | بعد الحمد ~~صفاحت سے پڑھی تپ~~ کی دعا (۴۵)

پڑھی آپ نے صحت

نبض دیکھی تو ہلا کر سر پر نور کہا | کیا حرارت ہے عنایت کرے ~~حق تم کو~~ شفا

انور یہ | اللہ

نشر ذرہ ہوں میاں تپ ہے تمھیں ایسی صغرا
آج کیا تم نے ٹھنڈائی بھی نہیں پی صغرا

دوسرے مصرع میں کیا خوب اصلاح فرمائی ہے۔ کتنا مصرع کو نرم و نازک بنا دیا۔ تیسرے مصرع میں مصنف نے (سر پُر نور) نظم کیا تھا۔ ترکیب صحیح تھی مگر سر کے ساتھ اکثر و بیشتر جو یہ صفت (انور) لاتے ہیں۔ اس لیے سر انور بنا دیا۔ پھر چار مصرع میں دو لفظوں کو کاٹ کر یعنی (حق) اور (تم کو) لفظ اللہ بنا دیا۔ ایک لفظ سے وہی فائدہ اٹھایا جو دو لفظوں سے اٹھ رہا تھا۔ واہ رے ذہن کیا کہنا۔

ہے غضب آٹھ پہر جسم میں رہتا ہے بخار | ورق گل کی طرح زرد ہیں گل سے رخسار (۴۶)

ضعف سے ~~ہو گیا ہے شکل مہ نو~~ تن زار | ~~دم چڑھا رہتا ہے بستر سے~~ ہے اٹھنا دشوار

شکل مہ نو ہے خمیدہ | فرش سے صورت تصویر

~~تپ کی شدت میں کوئی دم نہیں خفت تم کو~~

ہے حاصل نہیں اک آن افاقت

آج کل سے بھی زیادہ ہے نقاہت تم کو

تیسرے مصرع میں چونکہ قدرے مطلب جدا تھا اس لیے (شکل مہ نو ہے خمیدہ)

بناکے مصوری فرمادی چوتھے مصرع میں (دم چڑھا رہتا ہے) خلاف محاورہ اور غیر مانوس صرف تھا۔ اس لیے (فرش سے صورت تصویر) بناکے وہ حسن پیدا کیا کہ مصرع بولنے لگا۔ یہی وہ اصلاح ہے جہاں بڑے بڑے استادانِ فن انگشت بدنداں نظر آتے ہیں پانچویں مصرع میں مصنف نے (خفت) کو قافیہ قرار دیا تھا گو خفت کے معنی کمی کے ضرور ہیں لیکن دوسرے معنی شرمندگی کے ہیں۔ اس نے استاد کو مجبور کیا کہ اس لفظ بلکہ مصرع کو بدل دیجئے۔ چنانچہ اصلاح فرمائی (ہے حاصل نہیں اک آن افاقت) چونکہ میر نفیس کا مرثیہ تھا اور شفیق باپ جانتا تھا کہ میرے فرزند کے یہاں عربیت کا عنصر غالب ہے اس لیے قافیہ (افاقت) کا صرف کیا۔ غالباً اپنے کلام میں اس محل پر افاقت کا لفظ صرف نہ کرتے

(۲۷۳) کہا صغرا نے کہ اس آپ کی شفقت کے فدا | میں تو لونڈی ہوں نہ کڑھیے مری خاطر بابا
آپ کے ~~صدقے میں شافی~~ مجھے بخشے گا شفا | ~~صبح کو پی نہ غذا ئی~~ تو سبب ہجر اس کا
جلد اب شافی مطلق | پی نہ تبریدیہ سحر کو

بے مزہ منھ نہ جزیں خاطر ناشاد رہی
ساتھ جانے کی خوشی میں نہ دوا یاد رہی

مصنف نے تیسرے مصرع میں صرف لفظ شافی استعمال کیا تھا۔ ایک کمی تھی یعنی لفظ مطلق جو شافی کی صفت ہے۔ جب بھی خدا کو شافی کہتے ہیں تو شافی مطلق ہی بولتے ہیں اس لیے اصلاح میں (شافی مطلق) کردیا۔ چوتھے مصرع میں جو اصلاح فرمائی ہے۔ اس نے جان ڈال دی۔ چونکہ مریضہ یعنی جناب صغرا تپ کی مریضہ تھیں اس لیے لفظ (تبریدیہ) اصلاح میں لاکے روح پھونک دی۔ کیوں نہ ہو اصلاح دینے والا

دنیائے مرثیہ گوئی میں اپنے رنگ میں اپنی نظیر آپ ہے۔

مجھ کو حضرت کی محبت سے تعجب ہے مگر — رات سے آپ نے پوچھی بھی نہ صغرا کی خبر (۴۸)
شہ نے فرمایا کہ سچ کہتی ہو اے جان پدر — خبر اپنی نہیں شب سے ہے یہ تشویش سفر
ہے وہ ہمراہ جو نازوں کے پلے ہیں صغرا
دیکھو کس گرمی میں ہم گھر سے چلے ہیں صغرا

باوجودیکہ مصنف نے گرمی کی ردیا گرادی مگر حضرت انیس نے اس لیے رہنے دیا کہ خود جائز سمجھتے تھے۔

ہم جس آفت میں ہیں تم اس سے نہیں ہو آگاہ — آج کی رات عجب غم میں کٹی ہے واللہ (۴۹)
واں چلا ہوں کہ جہاں دوست نہیں کوئی آہ — مادر اس کے تمہارا ہے ملال جانکاہ
تم کو معلوم نہیں آج یہ گھر لٹتا ہے
تم سے ہم چھٹتے ہیں اور ہم سے وطن چھٹتا ہے

بند نہایت نفیس تھا اس لیے انیس نے اصلاح نہیں دی۔

جو کہیں ہم اسے مانو مری پیاری صغرا — اب گوارا کرو فرقت کو ہماری صغرا (۵۰)
دل پہ اس غم سے عجب رنج ہے طاری صغرا — تم رہو گھر میں یہ ہے مرضی باری صغرا
غم اٹھاؤ الم ہجر سہو صبر کرو
مصلحت ہے اب اسی میں کہ ہمیں صبر کرو

جناب مصنف نے پہلے ایک مصرع میں اب بھی شتر گربہ نظم فرمادیا۔ زیادہ تر ان حضرات کے یہاں دیکھا گیا ہے کہ دو مصرعوں میں شتر گربہ ہوتا تھا۔ مثلاً پہلے مصرع میں اہم اور دوسرے

مصرع میں (مجھے) لیکن اس بند میں ایک ہی مصرع میں شتر گربہ ہے۔ جناب سید الشہدا فرماتے ہیں کہ (جو کہیں ہم) اس ٹکڑے میں (ہم) استعمال کیا۔ (اے ماں مری پیاری صغرا) دوسرے ٹکڑے میں (مری) یہی شتر گربہ ہے۔

چھٹے مصرع میں (ہو اب) کو کاٹ کے (اب ہی) بنا دیا۔ اب کو ہی پہ مقدم کر دیا۔ مصرع صاف ہو گیا۔

(۵۱) ختم سے یہ سخن کے چھری چل گئی غم کی دل پہ
بس یہ سنتے ہی
زرد جو منہ ہو گیا ٹکڑے ہوا سینے میں جگر
دم الجھنے لگا ویراں نظر آنے لگا گھر
درد کا قافلہ آیا ہوا رحلت کا سفر
کاروان الم
اشک رخسار دل پہ آنکھوں سے رواں ہونے لگے
آہ کی ایسی کہ جو پاس تھے سب رونے لگے

پہلے مصرع میں کتنی برجستہ اصلاح فرمائی ہے (بس یہ سنتے ہی) گو بس کا لفظ بھرتی کا کہلاتا ہے مگر اس مقام پہ اس سے بہتر صرف ناممکن۔ چوتھے مصرع میں (کاروان الم) بدلا۔ مصرع کو نرم و صاف کر دیا۔ اگر دونوں جگہ اصلاح نہ بھی فرماتے جب بھی کوئی ہرج نہ تھا۔ صرف حسن کلام بڑھانے کے لیے مختصر سی ترمیم فرما دی۔

(۵۲) سر کو ٹکرا کے یہ چلائی بصد آہ و فغاں
گر کے بستر پہ
ارے لوگو مجھے تھامو کہ چلی جسم سے جان
بولی حضرت سے کہ ہے ہے یہ ہوا کیا ساماں
ہاں
ہائے بابا مجھے تم چھوڑ کے جاؤ گے کہاں
یک بیک پھر گئی قسمت

میری فرقت ہوئی کس طرح گوارا بابا

بے اجل آپ نے بیمار کو مارا بابا

مصنف کے مصرع اولیٰ میں چونکہ یہ ذکر نہ تھا کہ سر کو کس چیز سے ٹکرایا۔ اس لیے (گر کے بستر پہ) بنا دیا۔ تیسرے مصرع میں اس لیے اصلاح دی کہ چوتھے مصرع میں (ہائے بابا) موجود تھا اب تیسرے مصرع میں (بولی حضرت سے) کی ضرورت نہیں تھی ایسی اصلاح دی جس کا تعلق دوسرے مصرع سے بہ حسن و خوبی ہو گیا۔ چوتھے مصرع میں مصنف نے (ہائے بابا مجھے تم) نظم فرمایا۔ چھٹے مصرع میں (بے اجل آپ نے بیمار کو) ایک جگہ باپ سے تم کر کے خطاب ہے ایک جگہ آپ کر کے خطاب کیا ہے۔ اس کو بیان کیا جا چکا ہے۔

میں تو سمجھی تھی کہ لے جاؤ گے مجھ کو ہمراہ اب کھلا مجھ پہ کہ حضرت کو ہماری نہیں چاہ (۵۴)

خوب تدبیر مرے واسطے کی آپ نے واہ نہ رہی ہوں نہ رہوں گی میں اکیلی یا شاہ

~~کیا بیمار~~ رہی فرقت کا الم سہنے کو

سخت دل چاہیے

دے چلے ہو مجھے ڈھنڈار مکاں رہنے کو

مصنف نے متکلم اور مخاطب دونوں کے لیے تستر گربہ کا خیال نہیں رکھا۔ پہلے مصرع میں لے جاؤ گے مجھ کو ہمراہ۔ یعنی تم مجھے لے جاؤ گے۔ دوسرے مصرع میں حضرت کو ہماری نہیں چاہ۔ متکلم نے ایک مرتبہ اپنے لیے مجھے کا لفظ استعمال کیا دوسری مرتبہ ہماری کا لفظ مخاطب کے لیے لے جاؤ گے۔ یعنی تم۔ تیسرے مصرع میں۔ خوب تدبیر مرے واسطے کی آپ نے واہ۔ چوتھے مصرع میں پھر متکلم کی طرف سے نظم کیا (نہ رہی ہوں نہ رہوں گی

میں اکیلی یا شاہ) یعنی یہ چھٹے مصرع میں پھر مخاطب کے لیے تم کا لفظ استعمال کیا (دے چلے ہو مجھے ڈھنڈار مکاں رہنے کو) یعنی (تم)

اُستاد نے پانچویں مصرع میں ایک جز بدلا ہے۔ سخت دل چاہیئے۔ اگر مصنف کا مصرع بجنسہ باقی رکھتے جب بھی قباحت نہ تھی۔ اس لیے کہ کوئی عیب نہیں۔

(۵۴) نہ بچے گی نہ جیے گی یہ مریضِ رنجور   ہائے میں گھر میں رہوں اور چلیں آپ یہاں سے دور
چھوڑ دینا بیٹی کو ماں باپ یہی ہے دستور   عفو کیجے اگر کوئی صغرا سے ہوا ہو جو قصور
دے بیٹی کو بابا یہ سنا ہے
آتشِ رنج و الم میں نہ جلوں گی بابا
کچھ ہو میں آپ کے ہمراہ چلوں گی بابا

شاعرِ اعظم نے تیسرے مصرع میں اصلاح دے کے زبان کی چاشنی پیدا کر دی اور کوئی خاص بات نہ تھی۔ بند بہت عمدہ اور بے عیب ہے۔

(۵۵) کہہ کے یہ کرتے کے دامن کو رکھا آنکھوں پہ   ہچکیاں لے لیکے رونے لگی وہ خستہ جگر
ہاتھ چہرے سے ہٹا کر یہ پکارے سرور   ٹکڑے دل ہوتا ہے بس روؤ نہ اے نورِ نظر
موڑ کے دامن کو   وہ تو ہوگا جو مقدر تمہیں دکھلائے گا
اس طرح روؤ گی بی بی تو غش آجائے گا

صرف تیسرے مصرع میں ترمیم فرمائی۔ گو مصنف نے بھی نایاب تصویر کھینچی تھی مگر حضرت نجمی نے بہترین مرقع پیش کر دیا

(تنبیہ)

صرف یہی ایک جگہ ہے جہاں حضرت انیسؔ نے اصلاح میں (مونھ) میم واؤ کے ساتھ لکھا ہے ورنہ ہمیشہ (منھ) میم اور نون کے ساتھ لکھتے تھے غالباً دونوں طریقوں سے رسم الخط اس عہد میں تھا۔ ہر ایک کے لکھنے کا طریقہ اس کی عادت کے ساتھ تھا۔

اس تپ و تاب میں کیونکر تمھیں لے جاؤں بھلا ہر قدم خوف و خطر دھوپ کڑی گرم ہوا (۵۶)
اور بڑھ جائے مرض کچھ تو ~~مجھے ہو ایذا~~ ~~حق میں رنجور کے~~ ہے منع جرح لے صغرا
کروں راہ میں کیا منع ہے حق میں مریضوں کے
~~ہو بھلا لے تو وطن میں ہی پھر آتے بی بی~~
ساتھ لیتے جو تو انا تمھیں پاتے
~~گھر سے~~ بیمار سفر میں نہیں جاتے بی بی
ایسے

مصنف کا تیسرا مصرع صاف ضرور تھا۔ مگر آخری ٹکڑا زائد سا تھا۔ اس لیے استاد نے (کروں راہ میں کیا) بدل کے مصرع میں روانی پیدا کر دی۔ اسی طرح چوتھا مصرع نرم و براق مصرعوں کے مقابل میں ایک خاص عربیت میں ڈوبا ہوا ثقیل مصرع تھا۔ اس کو استاد کی لطیف و نرم زبان نے اتنا لوچ دار بنایا کہ بیک وقت اصل و اصلاح پڑھنے والی اور امتیاز رکھنے والی نظر ہی دیکھ سکتی ہے۔ مصنف کے پانچویں مصرع میں خاصی تعقید بھی تھی اور چھٹے مصرع سے کسی قدر بے ربطی تھی۔ لہٰذا ایسا مصرع لگایا کہ بیت میں چار چاند لگ گئے۔ اور چھٹے مصرع میں (گھر سے) کاٹ کے (ایسے) بڑھا دیا۔ جس کی وجہ سے مصرع

دست وگریبان ہو گئے۔ حقیقتاً کس حسن سے بیت کو درست فرمایا ہی اور پانچویں مصرع میں جان ڈالی ہی۔ یہ وہ مقام ہی جہاں انیس کے مقابل میں بڑے بڑے کہنہ مشق استاد سپر انداختہ نظر آتے ہیں۔ مشق و کمال کی کوئی انتہا نہیں۔ (اللھم الغفر والرحم)

(۵۷) کہا صغرا نے کہ جو کچھ ہو گوارا ہی مجھے ~~تقویت سبط پیمبر~~ کا سہارا ہی مجھے
قبلہ و کعبۂ عالم
~~راحت قلب و جگر ساتھ تمہارا ہی مجھے~~ ~~اس سے بہتر نہیں آرام کا چارا ہی مجھے~~
غش کی تاب نہ اب صبر کا یارا ہجر کے صدمہ و اندوہ نے مارا
جان آجائے گی رستے میں اذیت کیسی
پاس ہو تم ~~ہو مسیحا~~ تو علالت کیسی
ایسا ہو

مصنف کا دوسرا مصرع اور بالخصوص مصرع کا پہلا لفظ (تقویت) خاندانی حدود سے بہت علٰحدہ تھا جس کا سماعت پر بار ہونا لازمی تھا۔ اس کو کس خوبصورتی سے بدلا۔ اور دو لفظوں میں محاسن کے دریا بہا دیے اسی طرح تیسرا مصرع اس منزل میں باپ سے تم کہکے خطاب کسی طرح طبع منصف پسند ہی نہیں کر سکتی۔ لہذا استاد نے قافیہ کی مجبوری سے تم کے خطاب ہی کو ختم کر دیا اور قافیہ ہی بدل دیا چھٹے مصرع میں تعقید تھی۔ جو کسی طرح انیس کی نفاست پسند طبیعت گوارا ہی نہیں کر سکتی تھی لہذا مع تبدیلی قافیہ مصرع بدلا۔ اور اصلاح سے مکمل کمال کو دکھلا دیا۔ وہی چیز جو عرض کی گئی ہو کہ اس محل پہ باپ سے خطاب بھلا نہیں لگتا۔ استاد نے (تم) کے لفظ کو نکال دیا اور بند کو ایسا سج دیا کہ آئینہ خشنما بنا دیا۔

ہاتھ میں جوڑتی ہوں اب مرے اچھے بابا پاؤں پہ گرتی ہوں میں مجھ کو نہ چھوڑو تنہا (۵۸)
رحم کیجے مری منت پہ یہ لونڈی ہو فدا میری بیماری کا حضرت کو اگر ہے دھڑکا
اچھی میں ہو لوں تو ہو یاں سے روانہ بابا
یا میں دنیا سے گزر جاؤں تو جانا بابا

اس بند سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسان خواہ کتنا خاندانی ہی کیوں نہ ہو مگر اس کا ایک دور ایسا بھی ہوتا ہے جب وہ اتنے سادہ اور پھیکے بند طبیعت کی روانی میں کہہ ڈالتا ہے۔ یہ بند اپنی سستی اور خرابی بندش کے اعتبار سے دوسرے بندوں پر نظر کرتے ہوئے کسی طرح رکھنے کے قابل نہ تھا۔ مگر خدا معلوم اُستاد نے کیوں رہنے دیا عیب تو کوئی نہیں۔ سوائے اس کے کہ (بیماری) کا صرف دیا) گرا ہوا ہے۔ یہ عیب عیب نہیں سمجھا جاتا یا شتر گربہ ہے دوسرے مصرع میں (نہ چھوڑو) یعنی (تم) تیسرے مصرع میں (رحم کیجے) یعنی (آپ) یہ بھی عیب نہیں سمجھا جاتا۔

کہہ سکی یہ نہ شاہ سے منھ پھیر کے رونے لگی بابے بس نہ چلا اشکوں سے منھ دھونے لگی (۵۹)
پاس جانے سے ہوئی جان حزیں کھونے لگی حرم شاہ میں فریاد و بکا ہونے لگی
ماں کو آرام نہ تھا بیکس و تنہا کے لیے
منھ کو آتے تھے جگر بہنوں کے صغرا کے لیے

حضرت مصنف کا بند سادہ اور مربوط کا ہے پانچویں مصرع کی ردیف سمجھ میں نہیں آتی ماں کو آرام نہ تھا بیکس و تنہا کے لیے۔ یعنی بیکس و تنہا کے خیال سے یا بیکس و تنہا کی وجہ سے۔
اب اس طرح کوئی صرف نہیں کرتا متروک ہے۔ استاد نے کہیں اصلاح نہیں دی۔

(۶۰) بولے پیشانی پہ مونھ رکھ کے امام دوجہاں کیا خفا ہو گئیں بابا سے تم اے راحت جاں
جا کے کوفے میں اگر موت نے دی مجھ کو اماں وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تم کو بلائیں گے وہاں
دیر میں پہونچے سواری تو نہ گھبرانا تم
ساتھ نانی کے مری جان چلی آنا تم

مصنف کے مصرع اول کے لفظ پیشانی کا حرف (یا) تقطیع میں گر گیا۔ اور سب مصرع درست و مناسب ہیں اُستاد نے کہیں اصلاح نہیں دی۔

(۶۱) تم سے الفت نہیں بابا کو یہ بیجا ہے خیال چند دن کے لیے جاتا ہے ید اللہ کا لال
خط میں لکھ بھیجیں گے بی بی تمھیں سب کا حال روئیں گر بعد ہمارے تو قلق ہوگا کمال
آپ ~~کے بھائی کو عباس~~ کو یا بھیجیں گے
یا تو عباس کے فرزند
تب تو خوش ہوگی جو ہم تم کو بلا بھیجیں گے

چونکہ مصنف نے بند تم کے لفظ سے شروع کیا تھا اور یہ سلسلہ چوتھے مصرع تک باقی رہا۔ حسب عادت پانچواں مصرع مصنف نے آپ کے لفظ سے شروع کیا مگر اُستاد نے خود اس طرح کی صورتیں نظم کی ہیں اور جائز سمجھتے ہیں۔ مگر کیا کریں کہ یہاں بغیر بدلے چارہ نہ تھا اس لیے کہ اور مقامات پر تو حرف برا معلوم ہوتا تھا۔ یہاں اتنا بُرا معلوم ہوا کہ بغیر اصلاح دیئے آگے نہ بڑھ سکے۔ اُسے اس طرح بدل دیا (یا تو عباس کو فرزند کو یا بھیجیں گے) اب مصرع صاف اور مناسب محل ہو گیا اور جو مقصود مصنف تھا باقی رہا۔ یہی اصلاح کی خوبی ہے۔

(۶۲) جب مکاں سے کبھی گھر میں نہ تم گھبرانا ساتھ ہمجولیوں کے کھیل میں دل بہلانا
گھر جو خالی نظر آئے تو نہ گھبرانا تم دل کو ... سے بہلانا تم
چیزیں بازار سے مرغوب جو ہیں منگوانا ضعف ہو جائے گا سودا ترک نہ کیجیو کھانا
مرغوب ہوں جو کچھ انھیں تم ترک کیجیو نہ مرے سر کی قسم تم
شام کو صحن میں حجرے سے نکلنا بی بی
تب جو اترے تو عصا لے کے ٹہلنا بی بی

حضرت مصنف نے بند کے پہلے چار مصرعوں میں (گھبرانا) (بہلانا) (منگوانا) (کھانا) قافیہ قرار دیا تھا گویا گھبرا بہلا وغیرہ قافیہ اور (نا) ردیف قرار دی گئی تھی۔ حضرت انیس نے ردیف جدید کا اضافہ کیا۔ اب (نا تم) ردیف ہو گئی۔ اور چاروں مصرعوں میں خوب خوب ترمیم کی ہے۔ پہلا مصرع سست تھا۔ اصلاح سے روانی و چستگی پیدا ہو گئی دوسرے مصرع میں ردیف کے اضافہ کی وجہ سے اصلاح کی ضرورت ہوئی ورنہ مصرع ٹھیک تھا۔ یہی صورت تیسرے مصرع کی بھی ہے۔ چوتھے مصرع میں (ہو جائے گا) کی وجہ سے ضعف تنافر پیدا ہو گیا تھا لہذا مصرع بدلنا ضروری تھا کہ مصرع براق ہو جائے۔ بیت فی الحقیقت لاثانی تھی اس لیے ترمیم کی حاجت نہیں ہوئی اور مطلع کے لحاظ سے لاجواب بیت ہے۔

(۶۳) غم کہ مجبور ہو یہ لکھا ہے یا ملے نور نظر شیشے جائیں جو قصد تب اشک کی باندھ ... نظر
کچھ ہو تخفیف تجھ ... ہو سکے اشک کی اگر
دل پریشاں ہو تو اٹھ سلمہ کو لے کر جائیو تم لحد فاطمہ پہ وقت سحر
جائیو تم

جس میں آرام ملے تم کو وہ صورت کرنا
دم جو گھبرائے تو قرآں کی تلاوت کرنا

مصنف نے صحت کلی ہونے پر تاکید بیجا دکھائی ہو کہ ہمیں ضرور مطلع کرنا۔ حضرت انیس نے دیکھو جو تخفیف، اس سے یہ بتایا ہے کہ باپ بیمار بیٹی کو چھوڑ کے سفر کر رہا ہے تو اس کے دل کی جو حالت ہوگی اُسے وہی سمجھ سکتا ہے جسے یہ منزل طے کرنا پڑی۔ ایسے محل پر لازمی ہے کہ وہ تاکیدی حکم صرف اس بات کا دے کہ اگر مرض میں کچھ بھی کمی ہو تو ہمیں مطلع کرنا باپ کی فطری محبت کی الفاظ میں ایسی مرقع کشی کی ہے جس کی نظیر سوائے انیس کے کلام کے ملنا قریبا ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔

مصنف کا دوسرا مصرع بے عیب ضرور تھا لیکن بندش کسی قدر مذاق انیس سے جدا تھی لہذا اصلاح دے کے روانی پیدا کر دی ہے چوتھے مصرع میں اصولی کوئی غلطی نہیں تھی صرف پڑھنے میں تکلف ضرور ہوتا تھا۔ (جانا کیجیو) قاعدۃً صحیح ضرور ہے لیکن انیس کی نفاست پسند طبیعت کے خلاف ہے۔ لہذا (جائیو تم) بدل کے مصرع کا وزن بڑھا دیا۔ اب بے تکلفی سے مصرع پڑھا جانے لگا۔ بیت بے نظیر تھی رہنے دی۔

(۶۴) باتیں کرتے تھے یہ صغرا سے شہِ کون و مکاں   آگئے جو اتنے میں ہمشکلِ رسولِ دو جہاں
دیکھ کر بھائی کو بولی وہ بصد آہ و فغاں   آؤ بھیا علی اکبر میں تمہارے قرباں
اپنا بس کچھ نہیں بابا تو ہمیں چھوڑ چلے
تم بھی کیا خود اسی ناشاد سے منھ موڑ چلے

مصنف کا بند ہر حیثیت سے انتخاب ہے۔ کہیں نشتر گر نہیں جو گفتگو کا محل ہے۔

(تنبیہ)

(اپنا، یا اپنے) (اپنی) ان کے استعمال سے کلام میں بشتر گر بہ نہیں پیدا ہوتا ہمارے کے لفظ کے ساتھ اگر استعمال ہوں تو بھی صحیح (مجھے) کے لفظ کے ساتھ بولیں جب بھی درست۔ مثلاً ہم نے بہت کوشش کی مگر اپنی قسمت ہی خراب تھی۔ کیا کرتے ناکامیاب رہے مجھے اُن سے مقابلہ کی حسرت تھی مگر کیا کروں اپنے میں قوت ہی نہیں پائی۔ بہرحال ہر طرح ہر جگہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

بھائی صاحب سے بہن آپ کی شوکت کے فدا صدقے اس سینے کے ہاں چاند سی صورت کے فدا (٦٥)
لاکھ جاں سے یہ
خیر جب پوچھا ہمیں اس لطف و عنایت کے فدا تھے کہ مصر صبح سے میں آپ کی الفت کے فدا
کل سے بھیا کی تمھیں کچھ نہیں پروا بھائی
جس میں تم خوش مرا کیا زندہ رہو بھیا بھائی

مصنف رحمۃ اللہ نے سو جان کا محاورہ صرف فرمایا تھا۔ حضرت انیس نے (لاکھ جاں سے) بنا کے بتایا کہ یہ کثیر الاستعمال ہے اور زیادہ مناسب ہے۔ گو سو جان سے بھی صحیح ہے۔ تیسرے مصرع میں خوب کاٹ کے لفظ خیر بنا کے کلام کے زور میں اضافہ فرمایا۔ اور زبان کا خاصا لطف پیدا کر دیا۔

ہو مبارک تمھیں ہمراہی سلطان زمن ہم ہیں اور خانۂ ویراں ہے یہ اندوہ و محن (٦٦)
سب جہاں خار ہے بلبل سے چھٹا جب گلشن حسرت قمری کی ہے گر باغ میں نہ ہو سرو چمن
نہ رہو ہو بھلا تو ہے خاک سے بدتر شہ

~~دل پریشاں ہو نہ کیوں خاطر اگر جمع نہ ہو~~

کیا خوشی دل کو جو اسباب طرب

ہے یہ اندھیر کہ پروانہ تو ہو شمع نہ ہو

مصنف کے پہلے دوسرے تیسرے مصرع کو حضرت انیس نے بجنسہ رہنے دیا۔ چوتھا مصرع بدلا اسی مصرع کو دوسرے خاندان کے اساتذہ ممکن ہے اس طرح بدلتے کہ مصرع کے پہلے ٹکڑے میں لفظ چمن یا گلشن لاتے پھر اس کی طرف (وہ) سے اشارہ کرتے حضرت انیس نے بغیر مشار الیہ ضمیر راجع فرما دی۔ بعض اساتذہ کا یہ بھی معمول ہے۔ یہ کوئی عیب نہیں۔ پانچواں مصرع کا زیادہ حصہ بدل دیا۔ تاکہ تعقید دور ہو جائے۔

× ہم تو مہمان کوئی دن کے ہیں جاؤ بھائی　　۲ لوں بلائیں تیری ذرا پاس تو آؤ بھائی

نگہت زلف ~~پھر اک بار~~ سنگھاؤ بھائی　　۱ پیار کر لو ہمیں چھاتی سے لگاؤ بھائی

۳ بو مجھے زلف سمن بو کی　　۲ اب یقیں ہے کہ ہمیں آ کے نہ پاؤ

الم ہجر میں دنیا سے سفر کرتے ہیں

کوئی حسرت تو نہ رہ جائے کہ ہم مرتے ہیں

اس بند میں بڑے میر صاحب (انیس) نے خود نمبر لگائے ہیں اور دوسرا مصرع یعنی نمبر ۲ مصرع خود کہہ کے اضافہ کیا ہے۔ تیسرے مصرع میں اصلاح دی ہے کوئی عیب نہ تھا صرف ترقی کے خیال سے مصرع شاندار کر دیا۔ مصنف کا پہلا مصرع (ہم تو مہمان کوئی دن کے ہیں جاؤ بھائی) کاٹا نہیں مگر قرینہ بتاتا ہے کہ کاٹنے سے رہ گیا اس لیے کہ نمبر لگا دیئے ہیں۔ اور بیت کے علاوہ بند میں اور پہلے چار مصرع ہوتے

ہیں نہ کہ پانچ لہٰذا پہلا مصرعہ مصنف کا قائم رہتا ہے مگر غلط سمجھنا چاہیے۔

میرے عاشق مرے شیدا مرے پیارے کنبیا — تم پہ اس خستہ جگر کو کوئی وارے کنبیا (۶۸)
ہم سے اب چھپتے ہو مسجد میں گذارے کنبیا — ~~تم چلے اب~~ ہم ہیں گور کنارے کنبیا

آج سے ہیں یہ

پہلے میت پہ مری اشک بہاتے نہ گئے
قبر بیمار کی تربت میں بناتے نہ گئے

صرف چوتھے مصرع میں اصلاح دی (تم چلے) کی جگہ (آج سے) بنا دیا اور (اب) کو کاٹ کے (ہی) کے آگے (ہیں) بڑھا دیا تاکہ مصرع موزوں ہو جائے۔ اصلاح اس لیے دی کہ دونوں مصرعوں کا ربط ختم نہ ہو جانے سے واقعہ کے تسلسل میں جو حسن پیدا ہو گیا مصنف کے تیسرے مصرع میں متکلم اکیلا جگہ (ہم) کہہ رہا ہے اور دوسری جگہ (میں) استعمال کر رہا ہے

حضرت نجمی نے رہنے دیا

دیکھئے خیر سے اس شہر میں کب آؤ گے — بھائی پھر جانے کی صورت ہمیں دکھلاؤ گے (۶۹)
اپنی شادی میں بھی ناشاد کو بلواؤ گے — دیر میں آئے تو بھیا کو نہ تم پاؤ گے

یاد وصیت ہے یہ تم گھر میں نہ جانا پہلے

ہی کہ — یہ

~~باندھ کر سہرا~~ مری قبر پہ آنا پہلے

سہرا لٹکا کے

حقیقت امر یہ ہے کہ بڑے میرزا صاحب رحمۃ اللہ (نجمی) نے اس بند میں اصلاح

کے جوہر دکھا دیئے۔ محل و موقع کے اعتبار سے بند غنیمت تھا بیت کی ترمیم نے جان ڈال دی۔ پانچویں مصرع میں لفظوں کا الٹ پھیر کر دیا اور مصرع کو صاف کر دیا لیکن چھٹے مصرع کی اصلاح کا کیا کہنا۔ بظاہر کوئی خاص اصلاح نہیں لیکن ایسا نہیں۔ (سہرا لٹکائے) اصلاح نے ایک خاص جذبہ کی طرف اشارہ کر دیا۔

ایک عاشق بہن اپنے بھائی سے وصیت کر رہی ہے اور وہ یہ کہ بیا تو بچ میں مرجاؤں گی اور تمھارے بیاہ کا ارمان لے کے دنیا سے جاؤں گی۔ جب تمھاری شادی ہو اور دلھن بیاہ کے لاؤ تو پہلے گھر میں نہ جانا میری قبر پہ چلے آنا۔ مرنے کے بعد بھی میری روح تازہ ہو جائے گی اور میری حسرت نکل جائے گی۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی نوشاہ بنتا ہے تو کچھ دیر تک اصول دنیا کے ماتحت اور شرم کے خیال سے سہرا لٹکائے رکھتا ہے۔ تو بہن بھائی سے اس وقت آنے کی خواہش کر رہی ہے جب شروع شروع سہرا باندھا ہو اس وقت سہرا لٹکتا رہتا ہے وہ ایک خاص ادا ہوتی ہے اور محبت کرنے والوں کے لیے قابل دید مسرت کا منظر ہوتا ہے۔ بہن چاہتی ہے کہ میری روح وہ منظر دیکھ لے جس کا ارمان لے کے دنیا سے جا رہی ہوں۔

اور سہرا لٹکانے سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر سہرا لٹکتا ہوگا اور قبر پہ آنا ہوگا تو فاتحہ ضرور پڑھا جائے گا۔ ایسی حالت میں سہرے کی لڑیاں قبر سے مس ضرور ہوں گی۔ یہ ارمان بہن کی حسرت نکل جائے گی اور روح تازہ ہو جائے گی۔ قبر کا پھول سے خاص تعلق ہے۔

(۷۰) یہ جو صغرا نے کہا گھر میں ہوا شور بکا روئے مل مل کے بہن بھائی تو اک حشر ہوا

ناگہاں ڈیوڑھی سے قاسم نے شہ کو صدا دن بہت آچکا اسوار ہوں اب آل عبا
دیر ہو گیا
فصل گرمی کی ہوا اور کویں کرتے ہیں آقا
پردہ روکے ہوئے عباس کھڑے ہیں آقا

جناب مصنف نے آل عبا کو جمع کے ساتھ استعمال کیا تھا لہذا حضرت انیس نے بدل دیا اس لیے کہ اس کا استعمال واحد کے ساتھ کیا جاتا ہے نہ کہ جمع کے ساتھ۔ موجودہ دور میں بھی آل کا استعمال بصورت واحد کیا جاتا ہے۔

ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جناب قاسم نے ڈیوڑھی سے آواز دی ہے اور ڈیوڑھی کے قریب سواریوں کا انتظام ہے۔ یعنی بالکل متصل۔ اور جناب عباس علیہ السلام سن میں کافی بزرگ اور رشتے میں حقیقی چچا ہیں۔

ایسے محل پر حضرت سید الشہداء کو جناب قاسم کا آواز دینا۔ اور یہ عرض کرنا کہ پردہ روکے ہوئے عباس کھڑے ہیں آقا،

ایک چچا سے آقا کے ساتھ خطاب کیا۔ دوسرے چچا کا نام لیا یعنی عباس۔ زانحالیکہ جناب عباس ڈیوڑھی سے بالکل قریب ہیں۔ آواز پہونچنے کا امکان نہیں بلکہ یقین ہے۔

غالباً عرب کی تہذیب کے خلاف ہوگا۔ اور ہندوستان کی خصوصاً اودھ کی تہذیب کی قوت سماعت اسے برداشت نہ کر سکے۔ اگر یہ مصرع اس طرح ہوتا۔ ع

روک کے پردہ چچا جان کھڑے ہیں آقا

اک ادبی نزاکت کا تذکرہ مقصود تھا نہ معاذ اللہ اصلاح۔ میرے مخالفین

اس عبارت سے غلط فائدہ نہ اٹھائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس لکھنے کے بعد بھی غلط فائدہ اٹھایا جائے گا۔

(۷) اٹھ کے شہ بولے خدا حافظ و ناصر صغرا — لو بس اب جاتے ہیں غربت کے مسافر صغرا
آؤ چھاتی سے لگا لیں تمھیں ہم پھر صغرا — ~~جان دینا نہ کہیں باپ کی خاطر صغرا~~
حق تعالیٰ ہے مرے حال سے ماہر

نفیس ~~پھیرے بیٹی تجھے پدر کے پیار کی تابی~~
انیس آپ سے کیا یہ پدر داغ دیئے جاتا ہے
نفیس ~~اب دعا کیجیو تم حق میں ہمارے بی بی~~
انیس کوئی کھینچے ہوئے یثرب سے لیے جاتا ہے

حضرت مصنف کے بند یعنی چھ مصرعوں میں شتر گربہ کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اتفاق سے شاعر اعظم کی اصلاح کے بعد شتر گربہ پیدا ہو گیا۔ مصنف کے تیسرے مصرع میں جناب سید الشہداؑ فرماتے ہیں کہ آؤ ہم تمھیں چھاتی سے لگا لیں۔ شاعر اعظم نے چوتھے مصرع کو بدلا۔ اس میں (مرے) کا لفظ استعمال کر دیا۔ یعنی تیسرے مصرع میں (ہم) اور چوتھے میں (مرے) آ گیا۔ اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے کہ یہی شتر گربہ ہے۔ قوافی بھی غور طلب ہیں۔ پہلے میں (ناصر) دوسرے میں (مسافر) تیسرے مصرع میں (پھر) چوتھے میں (ماہر) جو الف تاسیس کی قید کو قید مانتے ہیں ان کے نزدیک صحیح نہیں جو قید نہیں مانتے ان کے نزدیک صحیح۔ میرے نزدیک احتیاط اولیٰ ہے۔

لہ عہدِ انیس کے بعض مستند اساتذہ اسی لفظ کو مشترک سمجھتے تھے یعنی کے بجائے ممدود اور سیدھا بولتے تھے۔

(تنبیہ)

بعض اساتذہ کا خیال ہے کہ اگر چار مصرعوں میں ایک صورت ہو اور بیت میں دوسری صورت تو شتر گربہ نہ ہوگا۔ یعنی اگر ابتدائی چار مصرعوں میں آپ کر کے خطاب ہو اور بیت میں تو (کر کے خطاب ہو) تو جائز ہے اس لیے کہ بیت اک علحدہ شے ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصول مرثیہ گوئی میں خاص چیز یہی ہے کہ ابتدائی چار مصرعوں میں ربط خاص ہو۔ دو لخت نہ ہوں۔ اور بیت کے لیے ضروری ہے کہ ابتدائی چار مصرعوں کے کسی جزو سے پیوستہ ہو زیادہ تر یہی طریقہ اساتذہ ہے کہ چوتھے مصرع سے بیت لگاتے ہیں۔ اور یہی چاہیئے بھی ہے۔ پھر بیت علحدہ کیونکر مانی جا سکتی ہے۔ اور شتر گربہ جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اتفاق سے اس بند میں تیسرے اور چوتھے مصرع میں شتر گربہ ہے۔ بیت واقعاً بدلنے کے قابل تھی۔ اس لیے کہ امام وقت رخصت اپنی دختر سے فرما رہے ہیں کہ بی بی تم دعا کرنا کہ یہ اللہ کے پیارے خیر سے پہونچیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ باپ کو پہلے بتانا چاہیئے تھا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ جب پہونچنے کی دعا کی خواہش برمحل تھی۔ دوسری بات یہ کہ پانچویں مصرع میں یہ اللہ کے پیارے جمع کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ یعنی پہونچیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مقصود امام یہ ہے کہ کل اہلبیت خیریت سے پہونچیں اور چھٹے مصرع میں لکھا ہے کہ (اب دعا کیجیو تم حق میں ہمارے بی بی) یہاں حضرت اپنے لیے یعنی ذات واحد کے لیے سوال فرمایا۔ اگر پانچویں کو یہ کہا جائے کہ وہ صرف جناب سید الشہدا کی ذات سے مخصوص ہے۔ تو مصرع یوں ہونا چاہیئے تھا۔ (خیر سے پہونچے یہ اللہ

کا پیارا بی بی) اس صورت میں بیت کے قوافی بدل جاتے۔ بہر حال بیت نامناسب تھی لہٰذا ایسی اصلاح دی اور ایسی بیت بدلی کہ اگر کسی ایسے انیس کے دشمن کے سامنے یہ اصلاح پیش کی جائے جو واقعاً ہر طرح کا دشمن ہو اور اچھا کہنا یا اچھا سمجھنا گناہ سمجھتا ہو پھر بھی اُسے یہ کہنا پڑے گا کہ اس سے بہتر دنیا کی کوئی فرد بیت نہیں بدل سکتی اور شاید وہ عداوت کی آگ جو برسوں سے مشتعل ہو یہ بیت سُن کے بجھ جائے حقیقت امر یہ ہے کہ حضرت انیس آپ کا جواب نہیں۔ آپ کے کمالات نے آپ کو انیس کیا۔ آپ اپنی نظیر آپ ہیں۔ بیت جو نئی کہہ کے لگائی ہے یہ ہے۔

آپ سے کیا یہ بد رواغ دیئے جاتا ہے
کوئی کھینچے ہوئے یثرب سے لیے جاتا ہے

مرثیہ میر نفیس میں یہی بیت طبع ہوئی ہے۔

(۷۴) یہ سخن سُن کے تڑپنے لگی وہ خستہ جگر	سوئے بیمار کو چھاتی سے لگا کر سرور
ہاتھ پھیلا کے سکینہ یہ پکاری رو کر	اپنا کچھ بس نہیں اللہ نگہبان خدا ہر
چھوٹ کر تم سے بصد رنج و الم جاتے ہیں
لو بہن آؤ گلے مل لو کہ ہم جاتے ہیں

میر نفیس کا یہ بند اتنا چست بند ہے کہ شاعر اعظم کو قلم اٹھانے کی گنجائش نہ ہو سکی کیوں نہ ہو مصنف کس باپ کا بیٹا ہے یہ وہی ہے جو ایک زمانے میں صحیح جانشین تسلیم کر لیا گیا اور اپنے سامنے دوسروں کے چراغ گُل کر دیئے

اللّٰھم اغفر و الرحم

گھر سے روتے ہوئے باہر گئے سلطانِ اُمم   مل کے صغرا سے گئے ڈیوڑھی پہ سبطِ اکرم
چلے
دی صدا حضرتِ عباسؑ نے بادیدۂ نم   ہاں قناتوں سے خبردار رہیں سب اہلِ حرم
(خ) پہلے دروازے پہ زینب کی سواری لاؤ
(م) دخترِ فاطمہؑ زہرا کی عماری لاؤ

دوسرے مصرع میں صرف اس لیے ایک لفظ بدلا یعنی (گئے) کو (چلے) کر دیا کہ پہلے مصرع میں (گئے) کا لفظ آچکا تھا اساتذہ تکرارِ لفظ معیوب سمجھتے تھے۔ جن مقامات پر تکرار مستحسن کہلاتی ہو وہاں تکرارِ لفظ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہاں اصلاح ضروری تھی کیونکہ تکرار غیر مفید تھی۔ شاعرِ اعظم نے کمالِ اُستادی و مشاقی دکھاتے ہوئے پانچویں مصرع پر حرفِ خا اس طرح بنا دیا (خ) اور چھٹے مصرع پر حرف میم اس طرح بنا دیا (م) اس سے مطلب یہ ہو کہ جب مرثیہ بعد اصلاح صاف ہو تو چھٹا مصرع پانچواں کر دیا جائے اور پانچواں مصرع چھٹا مصرع کر دیا جائے۔

صرف اس لیے مقدم و مؤخر کر دیا کہ مُصنّف کی بیت کے مصرعوں کی ترتیب میں ایک قسم کا سُقم تھا وہ یہ کہ جب یہ کہہ دیا کہ (پہلے دروازے پہ زینبؑ کی سواری لاؤ) تو اب چھٹا مصرع بالکل بے کار اور زائد ہو جاتا تھا صاحبانِ فہم و نظر اس کا فیصلہ خود کر سکتے ہیں کہ کہاں تک صحیح لکھا۔

مصرعوں کو مقدم و مؤخر کر دینے کے بعد یہ بات جاتی رہی۔ کیونکہ اس آواز کے بعد کہ (دخترِ فاطمہ زہرا کی عماری لاؤ) چونکہ فاطمہ زہراؑ کی ایک دختر صرف جناب

زینبؑ ہی نہ تھیں بلکہ جناب ام کلثومؑ بھی تھیں۔ اس لیے سُننے والے کو اشتباہ ہوتا کہ کس کی عماری پہلے طلب کی گئی ہے۔ یہاں آواز دینے والے جناب عباسؑ کا مقصود یہ ہے کہ صرف جناب زینبؑ کی عماری لاؤ پہلے وہی عماری میں سوار ہوں گی۔

لہٰذا پانچویں مصرع کے سننے کے بعد وہ اشتباہ جو پیدا ہو رہا تھا کہ کس کے لیے عماری طلب فرمائی ہے۔ چھٹے مصرع سے دُور ہو گیا۔ سُننے والے کو پتہ چل گیا کہ صرف جناب زینبؑ کی عماری طلب فرمائی ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ اتنے سے کن میں کتنی بُرائیاں دور کر دیں اور کتنی خوبیاں پیدا کر دیں۔ اصلاح اسی کا نام ہے۔

(۷۴) آئی جو روح کے جسم زہرا علیؑ کی دختر خود عماری کے قریب آگئے شہ دیں بڑھ کر
بند آنکھوں کو کئے تھے ملک و جن و بشر تھے قاسمؑ و اکبرؑ تھے ادھر اور اُدھر
پردہ عباسؑ جدا عون جدا روکے تھے
شاہ خاتونِ قیامت کی ردا روکے تھے

(۷۵) گھر سے جاتے ہوئے اک دن تو یہ سامان تھا؟ ایک دن وہ تھا کہ تھی قید میں وہ خواہر شاہ
ہاتھ تھے رسی میں اور گرد تھی ظالم کی سپاہ ننگے سر لوٹے میں تھیں بھائی کے سر کے ہمراہ
ظلم پر ظلم تھا اور حسرت نہ دو روا کیا
بال بکھرے رخ سے ہٹے جاتے تھے پردا کیا

ان بندوں میں اصلاح کی ضرورت نہ محسوس کرتے ہوئے قلم نہیں لگایا۔

بھیجی دختر خاتون جناں جب کہ سوار آئی اسواری بانوئے امام ابرار (۷۶)

نکلی

اس تجلی سے جو زینب ہوئیں محمل میں

دوڑی تھراتی ہوئی فاطمہ صغرا بیمار لے کے ماں سے علی اصغر کو یہ بولی وہ نزار

بوسے اس چاند سے ماتھے پہ ذرا لینے دو

ننھے بھیا کو مجھے پیار تو کر لینے دو

گو مصنف پہلے عماری کا تذکرہ کر چکے تھے۔ پھر بھی مصرع اول میں اس کی ضرورت تھی کہ ذکر عماری و محمل کیا جائے۔ اس لیے کہ بغیر ذکر کے دختر خاتون جناں کے لیے مصرع حفظ مراتب سے گرا ہوا تھا لہٰذا شاعر اعظم نے مصرع بدلا اور لفظ محمل کا اضافہ کیا۔ اساتذہ متقدمین ان باتوں کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔

(ایک واقعہ)

ایک دن میرے پدر بزرگوار حضرت محبوب رحمۃ اللہ اپنے چچا اور استاد کو مرثیہ سنا رہے تھے یعنی اصلاح لے رہے تھے۔ وہ مقام آیا کہ جناب زینب اپنے بھائی کی تنہائی سے پریشان ہوئی ہیں اور پوچھا ہے کہ بھائی آپ نے انصار کو آزما لیا ہے اس کی خبر انصار کو پہنچی سب وہ حضرت سراپردہ حاضر ہوئے اور بذریعہ جناب فضہ کہلوایا کہ ثانی زہرا سے کہہ دو کہ ہم جاں نثار رفقا بیٹھے ہیں ہماری طرف سے اطمینان رکھیے۔ اسی محل پر مصرع تھا کہ (شہزادی یہ ہم آپ کی خدمت کے لیے ہیں) حضرت رشید نے فوراً فرمایا کہ ہاں یہ کیا کہا۔ یہ مصرع نکال دینا۔ یہ مصرع حفظ مراتب سے گرا ہوا ہے۔ مردوں کا کبھی مجمع بلکہ ایک خاتون سے یہ کہنا کہ آپ کی خدمت کے لیے ہیں صحیح نہیں ہے کسی کا لحاظ رکھا کرو

(یہ واقعہ خود مرحوم نے مجھ سے بیان فرمایا تھا۔) (رہ چکی دختر خاتونِ جناں جب کہ سوار) ایک حد تک نا موزوں تھا۔ اصلاح سے یہ بات دور ہو گئی۔

(۷۷) پھر گلے سے اسے لپٹا لے یہ بیمارِ حزیں ہائے کیسا مجھے یاد آئے گا یہ ماہ جبیں
خالی دیکھوں گی جو گہوارہ تو جینے کی نہیں ہنس کے پھر کھیلتے ہمکتے قیامت کہنے لگی وہ غمگیں
دل پہ غم اس کی جدائی کا نہ آنے دوں گی
علی اصغر کو نہ جانے دوں گی
میں تو بھیا

شاعرِ اعظم نے صرف چھٹے مصرع کے پہلے جز کو بدل دیا۔ گو مصنف کا مصرع کسی حیثیت سے بھی غلط نہ تھا۔ صرف اس لیے ترمیم فرما دی کہ شفیق پیر، زبان کی خوبی کا اضافہ کرنا چاہتا تھا جس پر اُسے قدرت خاص حاصل تھی۔ دوسری بات یہ کہ (جائیں سب) کا ٹکڑا اس لیے بھی نکال دیا کہ اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ سب کا جانا گویا گوارا ہے۔ اصلاح سے ایک خاص کیف پیدا ہو گیا ۱۲۔

(۷۸) کھینچ کے یہ چھاتی سے معصوم کو لپٹانے لگی رکھ کے منہ چاند سی پیشانی پہ چلانے لگی
لب سے لب ملنے لگی زلفوں کو سلجھانے لگی بانو پاس آ کے یہ بیمار کو سمجھانے لگی
بے مرے روئے گا غم دل پہ سہے گا بی بی کو
گھر میں بن دودھ یہ کس طرح رہے گا بی بی

چوتھے مصرع میں بہت مختصر ترمیم فرمائی (کے) کی جگہ (کو) بنا دیا۔ چونکہ (بانو پاس آ

لہ عہد انیس میں بعض اساتذہ اسے متروک کر چکے تھے اب بالکل متروک ہے اس کے بجائے (دیے) استعمال کرتے ہیں۔

آکے یہ بیمار کے) ان مصرعوں میں دو جگہ (کے) آ گیا تھا جو سماعت کو ناگوار معلوم ہوتا تھا اور سستی نظم کی دلیل تھا لہٰذا دوسرے (کے) کی جگہ (کو) بنا کے حقِ اصلاح ادا فرمایا گو بانو کا (واو) تقطیع میں گر گیا۔ کوئی اصلاح نہیں فرمائی اس لیے کہ خود گرانا جائز سمجھتے تھے۔

لے کے بیر گود میں لینے جو لگی وہ دلگیر — چھوڑتا تھا نہ کسی طرح بہن کو وہ صغیر (۷۹)
دیکھ کر بیٹی کو رو کر یہ پکارے شبیر — دو اسے کوچ ہے اب ہوتی ہے صغرا تاخیر
اس کا دل کڑھتا ہے اشکوں سے جو منھ دھوتی ہو
کیا یہ اب گھر میں نہ آئے گا جو یوں روتی ہو

روکے صغرا کو گری خاک پہ وہ کشتۂ غم — چڑھ گئے ناقوں پہ رو رو کے سب اہلِ حرم (۸۰)
جب نہاں ہو گئے آنکھوں سے شہنشاہِ امم — پیٹتی گھر میں گئی فاطمہ بادیدۂ نم
غم سے افسردہ ادھر شاہِ زمن جاتے تھے
ہاتھ ملتے ہوئے سب اہلِ وطن جاتے تھے

شور تھا کوچہ و بازار میں ہے کوچِ سرور — سب دکاں دار کھڑے پیٹتے تھے سینہ و سر (۸۱)
غل تھا اب کون یتیموں کی یہاں لے گا خبر — آج گویا ہے زمانے سے محمد کا سفر
شہر ویران ہے امامِ ازلی جاتے ہیں
شاہ جاتے نہیں دنیا سے علی جاتے ہیں

ہو چکا قبرِ پیمبر سے جو رخصت وہ جناب — ہاتھ اٹھا کے یہ کیا شہرِ مدینہ سے خطاب (۸۲)
اے مدینے تری خاطر مری آنکھیں ہیں پُر آب — قدم اٹھتے نہیں یاں سے مرا دل ہے بیتاب

گھر اٹھا کر کسی جنگل کو بسانا ہوگا

اب یہاں حلقۂ پیمبر کا نہ آنا ہوگا

(۵۳) اے مدینے ترے والی کی ہے رخصت تجھ سے   اے وطن ہم کو جدا کرتی ہے غربت تجھ سے

اے زمیں چھٹتا ہے خورشید امامت تجھ سے   اے دیار اب ہوئی مظلوم کی فرقت تجھ سے

گلشن یثرب و بطحا پہ خزاں آتی ہے

ہم نہیں جاتے اجل ہم کو لیے جاتی ہے

بند ۴۹ لغایت ۵۳ یعنی پانچ بند مسلسل ایسے ہیں جن میں شاعر اعظم نے کوئی اصلاح نہیں دی حقیقتاً بند نہایت شستہ زبان نرم۔ بند چست ہر حیثیت سے بے عیب و انتخاب ہیں۔

(تبصرہ)

بند ۴۹ میں باپ بیٹی سے کہہ رہا ہے کہ علی اصغر کو دے دو کیا تمھیں یہ خیال ہے کہ اب علی اصغر نہ آئیں گے۔ اس بند کے بعد بند ۵۰ کا پہلا مصرع یہ ہے۔

(دو دے کے اصغر کو گری خاک پہ وہ کشتۂ غم) ضرورت اس کی محسوس ہوتی ہے کہ جب باپ کہہ رہا تھا۔ تو مصرع یوں ہونا چاہیے تھا کہ یہ سن کے اصغر کو گود میں دے کے تھا کہ یہ کشتۂ غم گر پڑی بند ۵۴ بند ۵۵ سے الگ سا معلوم ہوتا ہے۔۔ بند ۵۰ میں تھا یہ صغرا خاک پہ گر ہی گئیں۔ اے محرم ناقوں پہ سوار ہو کے روانہ ہو گئے۔ جب قافلہ اتنی دور چلا گیا کہ حسین آنکھوں سے نہاں ہو گئے۔ تو جناب صغرا روتی پیٹتی اپنے گھر گئیں بچا گئیں۔

یہاں بھی اس کی ضرورت تھی کہ جب جناب صغراؑ خاک پر گر چکی تھیں تو بغیر خاک سے اُٹھے ہوئے گھر میں جانا نہیں چاہیے تھا۔ موقع کی صحیح مصوری کے یہ امر خلاف ہے مرثیے کو اور بند کے مصرعوں کو دیکھتے ہوئے بیت شستہ ہے یہ کوئی عیب نہیں۔ ہر مرثیے میں سب مصرع اور سب بیتیں برابر کی نہیں ہوتیں خود حضرت انیسؔ سے بلند پایہ شاعر کے کلام میں یہ صفت نہیں کہ سب کلام برابر کا ہو اور سب بند اور سب مصرع ایک قوت کے ہوں۔ بلکہ کسی استاد غزل گو یا مرثیہ گو کے یہاں کل کلام ایک طرح کا نہیں ملے گا۔

بند ۸۱ کا تیسرا مصرع (غل تھا اب کون یتیموں کی یہاں لے گا خبر) بظاہر مذموم معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مذموم نہیں اس لیے کہ گزشتہ زمانے میں بھی قبل انیسؔ و عہد انیسؔ بلائیں لینا۔ دعا کرنا۔ مارنا یہ مصادر مذموم نہیں سمجھے جاتے تھے یہ چیزیں موجودہ دور میں معیوب و مذموم سمجھی جاتی ہیں۔ جو انتہائی پست خیالی کی دلیل ہیں۔ پہلے زمانے میں ان چیزوں کو معیوب و مذموم نہیں سمجھتے تھے چونکہ کلام اُس عہد کا ہے اس لیے معیوب نہیں۔ بند ۸۲ تو خوبیوں کا جامع ہے۔ بند ۸۳ بالکل لاجواب بند ہے۔ بالخصوص چھٹا مصرع بہت صاف اور انتخاب ہے۔

(مطلع)

(۸۴) جب ہوا یوسفِ زہراؑ کا سفر یثرب سے ۔۔۔ چاند خورشید کا چلا وقتِ سحر یثرب سے
ساتھ ہی ہو لیے سب خویش و پسر یثرب سے ۔۔۔ نکلے ہمراہ شہ جن و بشر یثرب سے

لحدِ ختمِ رسُل تربتِ زہرا چھوٹی
گھر بزرگوں کا چھٹا فاطمہ صغرا چھوٹی

یہ پورا مطلع حضرت انیس نے نظم فرما کے اضافہ فرمایا ہے۔ اس مطلع کی شاید ضرورت تھی متقدمین کا خاص طریقہ تھا کہ ایک مرثیہ میں متعدد مطلع لگاتے تھے۔ چنانچہ خود حضرت انیس کے مراثی میں بھی ہے کہ ایک ایک مرثیے میں چار چار چھ چھ مطلع نظم فرمائے ہیں۔

تحقیق

مرثیہ گویوں کی اصطلاح میں مطلع مردف ہونا ضروری ہے جیسا کہ مطلع بالا ہے اس کے خلاف یعنی اگر مردف نہ ہو تو اہلِ فن اسے مطلع نہیں کہتے غزل گویوں اور قصیدہ گویوں کی اصطلاح میں غیر مردف مطلع کو بھی مطلع کہتے ہیں یعنی صرف مقفے مطلع بھی مطلع کہا جاتا ہے۔

(۸۵) طرف خانۂ حق پہلے گئے قبلۂ دیں رُخِ روشن سے منور ہوئی کعبے کی زمیں
آگے مولا سے قدم بوس ہوئے اہلِ یقیں سب جھک جھک کے ملا فاطمہ کا ماہ جبیں
غُل تھا افضل ہے عبادت سے اطاعت شہ کی
کے برابر ہے زیارت شہ کی

اتفاق سے مرثیہ اس قدر خستہ حال تھا کہ چھٹا مصرع پورا نہ پڑھا جا سکا۔ غالباً حج اکبر کا ٹکڑا ہے جو پڑھا نہ جا سکا۔ مطبوعہ مرثیے میں بھی یہی ٹکڑا ہے (حجِ اکبر) شاعرِ اعظم نے اصلاح سے اس سبب مزین نہیں فرمایا کہ کوئی خاص بات نہ تھی۔ چوتھے مصرع میں

مصنف نے موقع اور محل کی منادی کی ہے اسی سبب سے جھجک جھجک کے ملا (جھجک کی تکرار) بتاتی ہے کہ محاورہ سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا ہے۔ ورنہ تکرار نہ ہوتی۔ محاورہ صرف اسی قدر ہے کہ جھجک کے ملنا (یعنی تواضع سے پیش آنا۔ انکسار سے کام لینا۔ ضد عزّ و تکبر

(۸۶) آئے گھر رب خدا لے کے کبھی نہ پایا آرام   حج سے محروم رہا وہ شرف رکن و مقام
جس حرم میں ہو کہ پشّے کا ستانا بھی حرام   واں رہا خوف و تردد میں شہ عرش مقام
چھپ کے اعدائے قتل شہ دیں آئے تھے
سیکڑوں حج کے بہانے سے لعین آئے تھے

مصنف نے بند کے تیسرے مصرع میں پشّے کا ستانا۔ یعنی مچھر کا ستانا مچھر مارنے کی جگہ نظم فرمایا ہے یہ توضیح اس لیے ہے کہ پشّے کو ستانا کوئی خاص چیز نہیں نہ ستایا جا سکتا ہے بلکہ حکم بھی یہی ہے کہ مچھر بھی اگر اذیت دے تو احرام کی حالت میں نہ مارو۔ بند کے سب مصرع صاف و مناسب مقام ہیں۔ تیسرے مصرع کی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی یعنی (جس حرم میں ہو کہ پشّے کا ستانا بھی حرام) کلاف بیانیہ کو (ہو) پر مقدم ہونا چاہیے تھا یعنی یوں (جس حرم میں کہ ہو) یہ صاف ہے۔ مطبوعہ مرثیے میں اس طرح ہے (جس حرم میں کہ ہے) یہ بالکل درست ہے۔

(۸۷) ~~تھے قافلہ حاج میں بے رحم و شریر~~   سب میں تھی قتل امام دو جہاں کی تدبیر
تین سو قافلہ حاج میں پنہاں تھے
کوفہ و شام سے آئی تھی یہ پیہم تحریر   طوف میں کاٹ لو سر شاہ کا یا کر لو اسیر
آل احمد کے لہو بہنے کا وسواس نہیں

حرمت خانہ کعبہ کا ہمیں پاس نہیں

حرم کعبہ کی حرمت

مصنف کے پہلے مصرعے کو بنایا۔ اصلاح میں یہ واضح نہ ہوا کہ تین سو قافلوں میں حاجیوں کے ظالم و شریر پوشیدہ تھے۔ یا حاجیوں کے قافلے میں تین سو شریر پوشیدہ تھے غالباً تین سو شریروں کا پوشیدہ ہونا مراد ہے۔

چھٹے مصرعے میں بھی ترمیم فرمائی۔ حرمت خانہ کعبہ کو کاٹ کے حرم کعبہ کی حرمت بنایا ہے۔ بظاہر کوئی ترقی اور فائدہ تو معلوم نہیں ہوتا بات ایک ہی ہے۔ چونکہ اس کے بعد والے بند کے چھٹے مصرعے میں یہ ٹکڑا۔ یعنی (حرمت خانہ کعبہ) رکھنا تھا اس لیے اس بند میں الفاظ کا جامہ بدل دیا۔ ٹکرا نہیں اور سامعین کے لیے کچھ بیکار سی ہوا کرتی ہے۔ اس لیے ترمیم فرما دی۔

(۸۸) حج کے نزدیک تردد میں رہے شاہ انام | باندھ کے کعبۂ داریں نے کعبے کا احرام
~~عمرہ مفردہ سے حج کو بدل کر کے امام~~ | ~~واں سے مدائی ہوئے تقیہ میں جو حق مقام~~
حج کو عمرہ سے بدل کر کے بہ تعجیل تمام | راہی دشت مصیبت ہوئے کعبے سے امام

~~وصیان تھا حق یہاں نہ کبھی ناشادنہ ہو~~
یہ سمجھا کہ یہاں قتل ہو
حرمت خانۂ معبود کہیں برباد نہ ہو

کعبہ

مصنف کے تیسرے مصرعے میں وہ روانی نہ تھی جو خاندانی خصوصیات کو ظاہر کرتی اس لیے مصرعے کی بندش کو جو سماعت پر یقیناً بار تھی۔ شاعر اعظم نے نظر کرتے ہوئے

پورا مصرع بدل دیا۔

جناب مصنف کے مصرع میں (بدل کر کے) تھا۔ استاد کے مصرع میں بھی بجائے (بدل کے) (بدل کر کے) نظم ہوا۔ اس قدر کافی معلوم ہوتا ہے کہ ترجیح کو عمرہ سے بدل کے، نہ بدل کر کے۔ خدا معلوم ایسا کیوں ہوا۔ بڑوں کی بڑی بات ہے۔ عہد انیس میں بھی ایسے زوائد کو بعض اساتذہ مستند غیر مناسب سمجھتے تھے۔ اور اس دور میں بھی اہل زبان احتیاط معیوب سمجھتے گیا۔ اصل اور اصلاح میں اسی طرح ہے۔ میں نے یہ مرثیہ (نگار نفیس) ایسا طبع کرایا ہے کہ اس میں اس طرح ہو کہ ترجیح کو عمرے سے بدلتے ہیں۔ پانچویں مصرع میں مصنف نے یوں نظم کیا تھا (دہقان تھا) کوئی غلطی نہیں لیکن پھر بھی استعمال کم تھا اس لیے استاد نے یوں بدل دیا (دہقان یہ تھا) جیسے مصرع میں (داور) کا لفظ کاٹ کے (کعبہ) بنا دیا صرف توضیح مقصود تھی۔

واں سے دو عالم کا شہنشاہ چلا کعبہ سے منزل مقصد کی طرف ماہ چلا (۸۹)
کس تجمل سے وہ سب قافلہ ہمراہ چلا لشکر نیر اسلام بصد جاہ چلا
نور چہروں کے رخ مہر کو شرماتے تھے
چاند کے ساتھ ستارے بھی چلے جاتے تھے

مصنف کا پہلا مصرع صحیح پڑھا نہ جا سکا کچھ اصلاح بھی تھی۔ چوتھے مصرع میں استاد نے (نیر) کا لفظ کاٹ کے (قبلہ) بنا دیا۔ غالباً یہ اصلاح اس لیے دی کہ لفظ نیر کا استعمال زیادہ تر اس کی صفت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس کی صفت خاص اعظم ہے یعنی نیر اعظم۔ اساتذہ نے جب بھی نیر نظم کیا ہے۔ اعظم صفت ضرور لائے ہیں۔ اسی وجہ سے نیر کاٹ

کے قبلہ بنا دیا۔ کیا کہنا اس نزاکت اصلاح کا۔ توصیفی ترکیب میں اعظم کی صفت کا التزام پایا جاتا ہے لیکن اضافی ترکیب میں اس کے خلاف بھی ملتا ہے۔ مثلاً جناب مرحوم حضرت عشق کا مصرع ہے۔ جو زوجہ جعفر کے حال کے مرثیے میں ہے۔

اُڑھا ہے نیر زہرا گھٹا سر کتی ہے

(۹۰) راہ فیض قدم شاہ سے تھی سب زر ریز — گھر ہوا عطر فشاں تھی تو زمیں عنبر بیز
تھے سبک خیزی میں گھوڑے بھی ہوا سے کہیں تیز — اشتروں کو بھی حدی خواں کی صدا تھی مہمیز

~~خاک سے ذرہ~~ ہر اک بہر نثار اُٹھتا تھا

ذرۂ خاک

~~دود عنبر تھا زمیں سے جو غبار اُٹھتا تھا~~

صاف عنبر کا دھواں بن کے

پانچویں مصرع میں الفاظ کے الٹ پھیر نے کیا جان ڈالی ہے۔ مصنف نے (خاک سے ذرہ) نظم کیا تھا۔ اس سے یہ شائبہ ہوتا تھا کہ خاک اور چیز ہے ذرہ علیٰحدہ شے ہے۔ اس اشتباہ کو دور کرنے کے لیے (ذرۂ خاک) بنا دیا۔ یعنی خاک کا ذرہ اور چونکہ حسن کلام اور چستی بندش کے لیے ضرورت ہی یہ ہوتی ہے کہ جہاں تک الفاظ کم ہوں وہی بہتر ہے۔ اصلاح میں (سے) نکل بھی گیا اور مقصد بھی پورا ہو گیا۔

چھٹے مصرع کے الفاظ اور ترکیبیں۔ ایک ثقل و وزن رکھتی تھیں جسے انیس کی نرم زبان اور نازک خیالی برداشت نہ کر سکی یعنی (دود عنبر تھا) اُسے اس طرح بنا دیا (صاف عنبر کا دھواں بن کے) اب مصرع کس قدر صاف اور نرم ہو گیا۔ اسی کو اصلاح کہتے ہیں۔

(۹۱) قدمِ نازنین رہوارِ سبک رو کے نشاں | تھے ہلالِ مہِ کامل کی طرح جلوہ کناں
دشت کی راہ تھی رشکِ روشِ باغِ جناں | جادہ کہتا تھا میں ہوں ~~طعنہ زنِ~~ کاہکشاں
کہ میں نورِ ضیا ہوں

باغِ زہرا کی مہک دور تلک جاتی تھی
دشت میں گلشنِ فردوس کی بو آتی تھی

مصنف کا چوتھا مصرع خاص رنگِ طبیعت کا پتہ دیتا ہے۔ اصلاح شاعرِ اعظم کے جذبات درمی زبان کا ثبوت دے رہی ہے۔ کوئی عیب مصنف کے مصرع میں نہ تھا صرف (طعنہ زن) کی ترکیب کھٹکتی جو صحیح ضرور تھی لیکن ایک وزن تھا جسے ترمیم سے ہلکا کر دیا۔

(۹۲) لے خوشا نورِ رخِ پاکِ شہِ نیک نہاد | ہر شجر تھا شجرِ طور سے رتبے میں زیاد
کہیں رستے میں ٹھہرتے جو علیؑ کے شہزاد | مجمعِ حسن سے ہو جاتا تھا جنگل آباد

اوج میں خاک کا سر عرش سے مل جاتا تھا
ہر جگہ تازہ چمن دشت میں کھل جاتا تھا

اس بند پر حضرت انیس رحمۃ اللہ نے اصلاح نہیں دی۔ تین چیزیں اس بند میں ایسی ہیں جن میں اساتذہ کے درمیان اختلاف ہے۔ پہلی چیز توالی اضافات۔ یعنی تین سے زائد اضافتوں کا کسی ایک مصرع میں لانا۔ اس بند کے پہلے مصرع میں مسلسل چار اضافتیں آگئیں غالباً حضرت انیس رحمۃ اللہ جائز سمجھتے تھے ورنہ مصرع بحال باقی نہیں رہ سکتا تھا تحقیق سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ اکثر اساتذہ اس صورت کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اور اب تک ناجائز سمجھتے ہیں حضرت انیس کے کلام میں توالی اضافات برابر پائی جاتی ہے۔ مثلاً ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

میں ہوں سپرِ شباب چمن خلد برین
میں ہوں خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکیں　　انیس

حضرت دبیر بھی جائز سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

دیکھو دو مصرعِ خطِ پشتِ لبِ خوش آب
گویا ہے یہ کہ مطلعِ ابرو ہے انتخاب　　دبیر

غزل گویوں میں انشا و ظفر شاہ ظفر دہلوی بھی جائز سمجھتے تھے۔ مثال انشا۔

آہ کل دل کو ہوا دھوکہ کہ رکھا ہم کو
جنبشِ ابروِ چینِ جبینِ بتِ چیں نے بے چین

مثال ظفر دہلوی۔

پایا نہ بجز داغِ سیہ کاری یک عمر
نقشِ قدمِ قافلۂ عمرِ رواں ہیچ

اساتذہ نے جن چیزوں کے استعمال سے منع کیا ہے ان میں سے ایک توالیِ اضافات بھی ہے۔ تین اضافتیں جائز ہیں۔ چار یا اس سے زائد ناجائز۔ لکھنؤ میں جن حضرات نے ناجائز سمجھا منجملہ ان کے چند حسبِ ذیل ہیں۔ حضرت ناسخ۔ صبا۔ اُنس۔ عشق۔ تعشق۔ صفیر و صابر۔ رشید و حمید و جدید۔ ادب مودب اور خود مولف کتاب ہٰذا مہذب انھیں حضرات کی تائید کرتا ہے جو ناجائز سمجھتے ہیں۔ جو صورت توالیِ اضافات کی ہے بعینہ یہی شکل تین سے زائد عطف کی ہے۔ تین عطف جائز چار اور چار سے زائد عطف ناجائز ہیں مثلاً اگر یہ مصرع کوئی صاحب نظم کریں۔　گیسو و رخ و چشم و لب و سینہ و بازو

یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

چونکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس لیے جو حضرات جائز سمجھنے والوں کی تقلید کریں وہ بھی صحیح اور جو ناجائز سمجھنے والوں کی تقلید کریں وہ بھی صحیح۔ بہتر یہی ہے کہ احتیاط کی جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مصرع ۳ (کہیں رستے میں ٹھہرتے جو علیؑ کے دلدار) چونکہ پورے بند میں زمانہ ماضی کا التزام فرمایا ہے۔ یعنی (رہ جاتا تھا) (ٹل جاتا تھا) اس لیے مصرع ۳ میں موجودہ زمانہ۔ بظاہر خلاف اصول ہے۔ کیونکہ اجماع مجتہدین فن اسی پہ ہے کہ جس زمانے کے ساتھ عام اس سے کہ ماضی ہو یا موجود یا مستقبل۔ بند شروع کیا جائے چھٹے مصرع تک التزام زمانہ مقررہ ضروری ہے۔ اس کا صرف ایک جواب ہو سکتا ہے وہ یہ کہ فرق زمانہ اس لیے نہیں ہے کہ یہ زبان ہے۔ اکثر و بیشتر موجودہ زمانہ بول کے گزشتہ مراد لیتے ہیں۔ یعنی (کہیں رستے میں ٹھہرتے جو علیؑ کے شہزادے) مطلب یہ ہے کہ۔ (راستے میں جو ٹھہرتے تھے علیؑ کے شہزادے)

مصرع بطور مثال بدلا گیا ہے نہ بشکل اصلاح۔ پھر بھی بعض اساتذہ ایسی صورتوں سے احتراز فرماتے تھے۔ تیسری خاص چیز یہ ہے کہ ۴ مصرع کے پہلے جز کی ترکیب (مجمع حسن) قابل غور ہے۔ اگر مجمع سے مراد حسینؑ کے اہلبیتؑ اور ان کے ہمراہی ہیں۔ تو ترکیب صحیح نہیں اس لیے کہ مجمع بمعنی گروہ انسان اُردو ہے مجمع چونکہ عربی زبان کا لفظ ہے اور ظرف مکان ہے اس کے لغوی معنی وہ جگہ جہاں سب جمع ہوں (مجمع) نہ جمع ہونے والے۔ یہ معنی ہیں بالکل اُردو جب اُردو ہے تو ترکیب صحیح نہیں ہو سکتی۔ بظاہر مقصود مصنف یہ ہے کہ جس جگہ تمام اصحاب حسین نزول اجلال کرتے تھے وہ جگہ مجمع حسن ہو جاتی تھی۔ یہ معنی کسی حد تک مناسب مقام ہیں۔

(۹۳) کیا لکھوں صفحہ قرطاس پہ کیفیت راہ — پائے رفتارِ قلم وقتِ رقم ہے کوتاہ!
وہ مہینوں کا سفر اور وہ گرمی کے دن آہ .... کہیں رستے میں شجر چاہ

بسر ہوتی تھے ....
ہوتی تھے ....

اس بند کا پنجم تھا مصرع اور بیت مرثیہ کرم خوردہ ہونے سے پڑھی نہیں گئی نگار نفیس
میں جیسا تھا مصرع اور بیت یوں ہے۔ منزلیں سخت نہ سایہ کہیں رستے میں نہ چاہ۔

راہِ مصیبت کے تردد میں بسر ہوتے تھے
شب کو بھی چین سے حضرت نہ کہیں سوتے تھے

(۹۴) وہ صعوبات سفر اور وہ رستے کا غبار — تھی بلندی کسی جا اور کہیں پستی کہیں غار
کہیں پتھر کہیں کنکر کہیں ریتیل کہیں خار — کہیں میدان کفِ دست اور کسی جا کہسار

دھوپ سے راہ میں راحت نہ ذرا لیتے تھے
محملوں میں حرم پاک گھٹے جاتے تھے

مصنف کے چار مصرع بہت نایاب ہیں۔ بیت مصرعوں کے لحاظ سے ذرا سست ہے۔

(۹۵) ثعلبیہ سے بڑھے جب کہ شہ جن و بشر — تھا مشوش بہت اس روز علی کا دلبر
آئی جو مسلم بیکس کی شہادت کی خبر — غم سے دل ہل گیا تھرا گیا سینے میں جگر

ضبط مطلق نہ ہوا اشکوں سے منہ دھونے لگے
دیکھ کر حضرت عباس کا منہ رونے لگے

---

[۱] میر نفیس کے عہد کے بعض اساتذہ اسے متروک سمجھتے ہوئے بلکہ زبان عوام سمجھتے ہوئے نظم نہیں فرماتے تھے

بند ۹۴ و ۹۵ میں کوئی ترمیم استاد نے نہیں کی۔ گو بند ۹۵ کی بیت میں ضعف نظم ہے یعنی پانچویں مصرع اور چھٹے مصرع دونوں میں مرا کا لفظ نظم ہو گیا ہے کوئی عیب نہیں ہے اور رہنے دیا۔

کئی بار آپ نے فرمایا کہ انا للہ ہائے مارا گیا بھائی مرا بے جرم و گناہ (۹۶)
گھر ہوا خون بھرا سر عباسؑ کا غربت میں تباہ اہل کوفہ نے دغا کی سمجھتے تھے آگاہ
~~دفعتاً ایذائے علم و~~ رنج امام آ پہونچا
متصل منزل مسلم کے
شکر ہے اپنی شہادت کا پیام آ پہونچا

چونکہ خبر شہادت حضرت مسلم سن چکی تھی۔ اس لیے پانچویں مصرع کو بدلا اور لفظ مسلم لائے۔ مصرع ششم اپنی جگہ درست و صحیح تھا۔ اگر نام مسلم نہ لاتے تو چھٹے مصرع میں شہادت کے پیام پر شکر باری ایک غیر مربوط سا رہتا۔

.......میں جو پھیلی یہ غم انگیز خبر ....گھر گئے آفت میں شہ جن و بشر (۹۷)
روتے تھے بیٹھ کے سر مسلم بیکس کے لیے اسی جنگل میں رہے سبط پیمبر شب بھر
غم سے ناموس پیمبر کے لہو گھٹتے تھے
بین سے زوجۂ مسلم کے جگر پھٹتے تھے

اس بند کے پہلے دوسرے مصرع کا ابتدائی جزو پڑھا نہیں گیا۔ استاد نے کہیں اصلاح نہیں دی۔ لہو گھٹنے کا استعمال جمع کے ساتھ یعنی گھٹتے تھے، قابل تامل ہے۔ اس کا استعمال بصورت واحد بھلا معلوم ہوتا ہے۔ نگار نفیسؔ میں پہلا دوسرا مصرع اس طرح ہے۔

(نوح حضرت میں جو پھیلی یہ غم انگیز خبر)　　غل ہوا گھر گئے آفت میں شہ جن و بشر

(۹۸) شور تھا قتل ہوا شہ کا برادر ہے ہے　　ہائے غربت زدہ و بیکس و بے پر ہے ہے
ہائے اے ایلچی سبط پیمبر ہے ہے　　ہائے اے جو وطن لے شاہ کے یاور ہے ہے
لاش کوٹھے سے گری خوب مدارات ہوئی
ہائے بھیا ہم سے دوبارہ نہ ملاقات ہوئی

مصنف نے اس مطلب کو کہ لاش کوٹھے سے گرائی گئی یا زندہ گرائے گئے یوں ادا کیا
کہ لاش کوٹھے سے گری۔ چونکہ اصلاح استاد نہیں لہٰذا مصرع صحیح ہے۔

(۹۹) اسی ماتم اسی غم میں ہوئی وہ شب جو اخیر　　صبح کو واں سے روانہ ہوئے شاہ دلگیر
کئی دن تک رہی رستے میں پریشاں شبیر　　جس کے مشتاق تھے آخر وہیں لائی تقدیر
مسکرا کر کہا مظلوم کا مقتل ہے یہی
جس کی نانا نے خبر دی تھی وہ جنگل ہے یہی

X

(۱۰۰) روک لو گھوڑوں کی باگیں کہ سفر ختم ہوا　　آگئے اب منزل مقصود پہ ہم شکر خدا
کھل گیا غنچۂ دل دیکھتے ہی یاں کی فضا　　واہ کیا سبزہ ہے کیا نہر ہے کیا آب و ہوا
دل خنک ہوتا ہے جس سمت نظر جاتی تھی
یاں کے ہر پھول سے فردوس کی بو آتی تھی

بند ۹۹ اور ۱۰۰ میں کوئی ترمیم نہیں ہوئی۔ بند ۱۰۰ کا چھٹا مصرع یوں لکھا ہے۔
سے یاں کے ہر پھول سے فردوس کی بو آتی ہے۔ مقصود مصنف یہ ہے کہ گل فردوس کی بو

آتی ہے کیونکہ بو کا تعلق زیادہ تر گل سے ہوتا ہے۔ گو اس سے خاص خوشبو فردوس کی
فرض کرکے معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ گو مصنف کی مراد یہی ہے۔ گُل کی لفظ کی کمی رہ
گئی یہ عیب نہیں ہے اس لیے رہنے دیا۔

سُن کے یہ ختم گیا بس قافیہ بہار اک بار — اُترے گھوڑوں سے بقصد شوقِ علی کے دلدار (۱۰۱)
ہنس کر یہ امام ابرار .... کیسی ہے بہار
........نہیں
........نہیں

تیسرا چوتھا پانچواں اور چھٹا مصرع پوری طرح پڑھا نہ جا سکا۔ مگر نفیس میں
یہ چاروں مصرع اس طرح ہیں۔

بولے ایک ایک سے ہنس کر یہ امام ابرار — سچ کہو کیسی فضا یاں کی ہے کیسی ہے بہار
یاں کی ویرانی میں رہنا کسے مطلوب نہیں
کس کو منظور ہے یہ جا کسے مرغوب نہیں

ویرانی کی دنیا بگڑ گئی۔

بولے بڑھ کے یہ رفیقانِ امام ذی جود — فخر اُس خاک کا جس پہ ہو شہ دیں کا ورود (۱۰۲)
~~کیفیت یاں کی تو جنت سے بھی کچھ ہے فزوں~~ — قابلِ وصف ہے یہ جا تو سزاوار درود
باغِ جنت سے بھی کچھ لطف سوا ہے یاں کا
وہ مزا ہے کہ امام گھر بھول گئے
یاں قدم رکھتے ہی سب رنج سفر بھول گئے

مصنف کے تیسرے مصرع میں جو بندش کی سستی تھی اس کے دور کرنے کے لیے مصرع بدلا گیا۔ اور کیفیت افزود ہونے کو نامناسب سمجھتے ہوئے اصلاح میں لفظ (لطف) کا اضافہ کیا۔ اب تکمیل بند میں کوئی کلام باقی نہ رہا۔

(۱۰۳) دیکھ کر جانب صحرا علی اکبر نے کہا — اس سے بہتر کوئی دنیا میں نہیں نور کی جا
بولے مسلم کے پسر سبزہ ہے کیا یاں کی ہوا — عرض کی عونؑ و محمدؑ نے کہ لے صل علا
صدقے آقا پہ ہوں اور کہونیوں پہ نثار
یاں کا میداں یہ کہتا ہے کہ تلوار چلے
یہی

چھٹے مصرع میں (یہ) کاٹ کے (یہی) بنا دیا۔ اب دوسری بات پیدا ہو گئی صاحبان ذوق سلیم اس اصلاح کی لطافت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

(۱۰۴) کہا فرزند حسنؑ نے ہمیں سبزہ ہے پسند — بوئے گلشن کی چلی آتی ہے یہ صحرا ہے پسند
دل کو شادی ہے نہایت ہمیں یہ جا ہے پسند — بولے عباسؑ علی شیروں کو دریا ہے پسند
بندی نہر کا صدمہ نہ سہیں گے ہم تو
دن ہیں گرمی کے ترائی میں رہیں گے ہم تو

پرانے رنگ کے اعتبار سے بند نہایت صاف اور رعایات سے بھرا ہوا ہے۔ اصلاح کی کوئی گنجائش نہ تھی اس لیے چھوڑ دیا۔ جو حضرات عقد جناب قاسمؑ کے قائل ہیں ان کے لیے یہ رعایتیں بے نظیر ہیں جو مرثیہ گو یا غیر مرثیہ گو قائل نہیں اُن کے لیے اہمیت نہیں رکھتیں۔

سن کے بیسب کے سخن زینب مضطر نے کہا اے شہ دیں مجھے ہرگز نہیں مرغوب یہ جا (۱۰۵)
پہلے یہ حال نہ معلوم تھا اب مجھ پہ کھلا کربلا نام ہے جس کا یہ وہی ہے صحرا
کئی دن تک یہیں خالق کے ولی پیاسے رہیں گے
یہ شہ کی بن ہے جہاں آ کے نبی روئے تھے

یہ بند حضرت نفیس کے کمال غیر معمولی کا نمونہ ہے اس لیے اصلاح کی ضرورت نہیں ہوئی۔

کون سی اس میں ہے خوبی کہ ~~مجھ سے~~ چھٹا ~~غم کا سامان دکھاتی ہے مجھے~~ یاں کی بہار (۱۰۶)
کوئی کرتے مجھ کو دکھلاتی ہے سامان خزاں
دیکھ کر یاں کی زمیں ہوتا ہے ٹکڑے دل زار خاک اڑاتا ہے کوئی فنا جب اٹھتا ہے غبار
یاں کسی ~~طرح اترنے کو یہ~~ کہنے کی نہیں
کبھی خیمہ بپا کرنے کو
لے کے بچوں کو میں اس دشت میں رہنے کی نہیں

بند ۱۰۶ میں چونکہ جناب سید الشہدا سے (اے شہ دیں) کہہ کے خطاب کیا ہے اس لیے (کہ مجھ سے) کچھ نامناسب سا معلوم ہوا (کوئی کرتے) بنا دیا۔ نمبر دو مصرع میں (بہار کا غم کا سامان دکھانا) نظم ہوا ہے۔ یہ خیال عظم کو نامناسب سا معلوم ہوا۔ بہار کی مقابل خزاں ہے۔ اس لیے (مجھ کو دکھلاتی ہے سامان خزاں) بنا کے مصرع مکمل کر دیا۔ پانچویں مصرع میں (کسی طرح اترنے کو میں) یہ ٹکڑا جناب

سلہ غالباً اس دور میں بھی اترنے کا لفظ مذموم سمجھا جاتا تھا۔ اب اترانا کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو شکریہ محل
فرہنگ سے نقل ہوا

زینبؑ کی زبان سے اچھا نہیں معلوم ہوا۔ (کبھی خیمہ بپا کرنے کو) بنا کے اپنا جوہر کمال دکھا دیا۔

(۱۰۷) ~~بخدا خوف کی جاگہ ہے یہ اے شاہِ امم~~ تجھے ڈرتے ہیں درندوں کی صدا سے ہر دم
بخدا ہے یہ جگہ خوف کی یا

تو جب اس نہر کی آنکھوں میں ہیں تشنہ دم دل بھر آتا ہے چھایا ہوا ہے ابرِ الم
دم الجھتا ہے پریشان ہوا آتی ہے ہے عجب
جس طرف سنتی ہوں درندوں کی صدا آتی ہے

مُصنف کا یہ مرثیہ بالکل ابتدائی دور کا معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ وہ الفاظ جن کو آخر میں حضرت انیس نے ترک فرما دیا تھا پائے جاتے ہیں مثلاً (جاگہ) حضرت انیس نے اپنے ابتدائی دور میں اس لفظ کو متعدد جگہ استعمال فرمایا ہے۔ لیکن چونکہ شیخ ناسخ کا دور تھا اور وہ انجمن اپنا کام بڑے شد و مد سے کر رہی تھی، جس نے طے کیا تھا کہ زبان کو سنوار دیں گے۔ بڑے بڑے اساتذہ شہر کے گوشے گوشے میں موجود تھے کوئی کہتا تھا کہ (سو) کا لفظ گو میر تقی میر نے بکثرت استعمال کیا ہے۔ لیکن اب متروک ہے۔ اور مضبوطی کے ساتھ پابند بھی تھا کوئی کہتا تھا کہ (ڈھنگ) کا لفظ مردہ ہو چکا ہے اب کوئی جان باقی نہیں۔ سماعت پہ بار پڑتا ہے۔ کوئی کہتا تھا (تک) متروک اس لیے کہ فصحائے زمانہ نے استعمال چھوڑ دیا۔ کوئی کہتا تھا (پہ) غیر فصیح (پر) فصیح ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ (جاگہ) گو میر تقی میر کے یہاں موجود ہے۔ لیکن لکھنؤ کی نزاکتِ زبان جاگہ کے ثقل کو برداشت نہیں کر سکتی مجبوراً حضرت انیس نے بھی گو استعمال فرماتے رہتے تھے ماحول کے اثر سے ترک فرما دیا اور آخر

دوروں میں تو کبھی استعمال نہیں فرمایا۔ اسی وجہ سے اپنے فرزند کے پہلے مصرع کو بدل دیا۔ مصرع مخفف سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید تیسرا کا مصرع ہو۔ لیکن اصلاح کے بعد مصرع نے بتا دیا کہ ہم اُس کے بنائے ہوئے ہیں۔ جو مملکت زبان اردو کا بادشاہ ہے جس نے اپنی فصاحت و بلاغت کے ڈنکے بجا دیئے۔ بڑے بڑے صاحبان فن اور بڑے بڑے زبان داں کو جس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا کون ہے؟ حضرت انیس رحمۃ اللہ چوتھے مصرع میں (ہوا ہی) کو کاٹ کے (ہے عجب) بنا دیا۔ ہوا ہی کے پڑھنے میں تکلف ہوتا تھا اور مصرع کی روانی کو روک رہا تھا لہٰذا اصلاح دے دی۔ بندش صاف اور نازک بھی رہنے دی۔

کوئی کہتا ہے کہ لے زینبِ تفتیدہ جگر — اسی جنگل میں لٹے گا شہ لولاک کا گھر (۱۰۸)
ایک بی بی یہ صدا دیتی ہے چلا کر — ہائے بیکس مرے بچے ترے صدقے مادر
کوئی
دشت آفت میں کمائی مری لٹ جائے گی
دسویں تاریخ ان بھائی سے چھٹ جائے گی

تیسرے مصرع میں ایک کو کاٹ کر (کوئی) بنایا اصلاح نے کتنا دست و گریبان کر دیا چونکہ پہلے مصرع میں کوئی سے کلام شروع ہوا تھا اس لئے نہایت ضروری تھا کہ تیسرا مصرع بھی کوئی سے شروع ہو۔ اگر پہلا مصرع ایک کے لفظ سے شروع ہوا ہوتا تو تیسرا مصرع برمحل تھا۔ اب چوتھے مصرع کا سوال ہے کہ دسویں کی یا اور نون تقطیع میں گر گئے یہ وہ نون اگر علامت ہے تو گرنا نہیں چاہئے۔

(قاعدہ)

ادیب اور محتاط فصحاءِ زبان و پابند اصول ہمیشہ عدد اور معدود میں فرق و امتیاز کر کے بولتے ہیں۔

مثلاً اگر امرود و سیب کے لیے بولیں گے تو کہیں گے دس امرود خریدے۔ پانچ سیب مول لیے اور اگر تاریخوں کے لیے بولیں گے تو کہیں گے کہ آج دسویں تاریخ ہے یا سولھویں تاریخ ہے۔ دس تاریخ یا سولہ تاریخ نہیں کہیں گے اگر کہیں گے تو اصولاً غلط ہے۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ یا اور نون ایک قسم کی علامت ہے یعنی علامت معدود۔ ایسی صورت میں علامت کا گرنا کہاں تک صحیح مانا جا سکتا ہے۔ اس کا فیصلہ صاحبان فن کے سپرد ہے۔

چونکہ حضرت انیس نے رہنے دیا اور کوئی اصلاح نہیں فرمائی۔ اس لیے ان کے مقلد و تلامذہ کے لیے یہ صورت جائز ہے۔ چونکہ اردو ہے اس لیے میرے نزدیک یا بھی صحیح ہے۔

(۱۰۹) مجھ کو اس بن میں ٹھہرنا نہیں دم بھر منظور ــــ بہر حق بہر نبی یاں سے اتریے کہیں دور
.... جنگل میں ہے رہنا منظور ــــ .... ~~بچوں کی حفاظت ہے ضرور~~
.... شام ملے ــــ یاں سے پئے رب غفور
.... آرام ملے

کاغذ اس قدر خستہ اور شکستہ تھا کہ یہ بند صاف پڑھا نہ گیا۔ نگار نفیس میں یہ بند اس طرح ہے۔

بہر حق بہر نبی یاں سے اتریے کہیں دور ــــ ہو نہ دریا بھی جنگل میں یہ رہنا منظور

ہائے ان پھولوں سے بچوں کی حفاظت ہے ضرور　　سب کہو مدد کہ پڑھیں پائیں بچے رب غفور
غم نہیں گر ہمیں اندوہ سحر و شام ملے
ہو وہاں خیمہ جہاں آپ کو آرام ملے

اس بند سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کے مصرع ۲ کو حضرت انیس نے مصرع ۱ کر دیا۔ مصنف کے مصرع اول کو ترمیم کر کے ۲ قرار دیا ہے۔ مصرع ۳ اور ۴ میں بھی غالباً خاص ترمیم فرمائی ہے۔ بیت خدا معلوم پوری مصنف کی ہے یا اصلاح فرمائی ہے۔ بہر حال مطبوعہ بند میں پہلے مصرع میں (اُتریئے یعنی آپ سے خطاب ہے تو چوتھے مصرع میں (سب سے کہو) یعنی تم سے خطاب ہے چھٹے مصرع میں پھر (آپ کو) صرف فرمایا ہے۔ موجودہ دور میں اس طرح نظم نہیں کیا جاتا یہ گزشتہ زمانے میں مخصوص خاندانوں کا طریقہ تھا۔ پھر کہتا چلوں کہ یہ طرز تحریر بصورت اعتراض نہیں ہے۔ ہاں چونکہ مجھے فیصلہ کن طریقے سے تشریح کرنا ہے۔ اس لیے بے دھڑک لکھ دیتا ہوں۔ معاذ اللہ میری بساط اور میری حقیقت کیا کہ میں کوئی فیصلہ کر سکوں صرف اس لیے لکھتا ہوں کہ میں متعلم ہوں جہاں غلطی کروں مجھے صاحبان فن سمجھا دیں اس سے دوسروں کو فائدہ پہونچنے کی کافی امید ہے
میں تو ایک معمولی ادبی خدمت گزار ہوں جسے خود ضرورت اصلاح ہے

(۱۰) شاہ نے محمل زینب کے قریب آ کے کہا　　اے بہن کچھ نہیں تشویش و تردد کی جا
یہ زمیں رتبے میں کعبے کی زمیں سے ہے سوا　　~~بیگناہوں کی~~ دوا ہے تو مریضوں کی شفا
عاصیوں کی جو
ذرے ذرے کو یہاں کے ہے محبت میری
اس کی الفت ہے مجھے اور اسے الفت میری

اگر چوتھے مصرع میں گناہوں کی دوا اور مریضوں کی شفا ہوتا تو شاید اصلاح نہ فرماتے لیکن چونکہ پہلے ٹکڑے میں گناہوں اور دوسرے ٹکڑے میں مریضوں تھا۔ اس لیے مصرع کے پہلے ٹکڑے کو بدل کے (عاصیوں کی جو) کر دیا۔ اب دونوں ٹکڑے برابر کے ہو گئے۔ مزید یہ کہ گناہ بیمار نہیں ہوتے جن کی دوا کی جائے گناہگار یا عاصی بیمار ہوتے ہیں جن کو دوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہاں دوا کا استعمال بصورت محاورہ گناہ کے ساتھ صحیح ہے۔ اس کی بیت بالکل بدل دی اور بدلنا بھی چاہیے تھی اس لیے کہ بہت زیادہ سست بیت تھی۔ مطبوعہ مرثیہ میر نفیس میں اس طرح ہے۔

آگ سے قبر میں سینے کو بچا لیتی ہے
یہی طوفاں میں سفینے کو بچا لیتی ہے

کیا کہنا اب بند بند ہو گیا۔ حقیقتاً جس محنت سے اس مرثیے کو بڑے میر صاحب نے درست فرمایا ہے۔ شاید دوسرے مرثیوں پر اتنی محنت نہ فرمائی ہوگی۔ مصنف کی بیت مصرعوں سے علیحدہ تھی شاعر اعظم (انیس) کی بیت مصرعوں سے انتہائی مربوط ہے۔ اور بھی احسن بنا دی۔

(۱۱) یہ زمیں وہ ہے ملک کرتے ہیں جس کی تعظیم
یہ زمیں اوج میں ہے تاج سر عرش عظیم
آدم و نوح و شعیب و خضر و ابراہیم
یوسف و عیسیٰ و داؤد و سلیمان و کلیم
کس نے توقیر نہیں کی ترے افلاک اس کی
سب تبرک کی طرح لے گئے ہیں خاک اس کی

کہیں اصلاح نہیں دی۔ واقعاً بند ہی انتخاب ہے۔ جس کی نظیر نہیں۔

وعدہ گاہ خلف سید لولاک یہ ہے | ~~احسن بقعہ~~ عالم ہی بہت پاک یہ ہے (۱۱۲)

لائق سجدہ

سُرمۂ دیدۂ ہر صاحب ادراک یہ ہے | ~~خاک جنت سے جو ممزوج ہی~~ وہ خاک یہ ہے

جس کو شیشے میں نبی رکھ گئے

یاں جو کچھ ہوگا وہ سب تم سے کہیں گے زینبؑ

حشر تک ہم اسی بستی میں رہیں گے زینبؑ

حضرت نفیس کی عربیت نے مجبور کیا کہ (احسن بقعہ) استعمال کریں۔ میر انیس نہ برداشت کر سکے ایسا ٹکڑا بدلا کہ تمام صاحبان فن کا سر تسلیم خم ہو گیا۔ یعنی (لائق سجدہ) اب دوسرے مصرع کی شان ہی اور ہو گئی یہی شان بعینہ چوتھے مصرع کی تھی جس میں لفظ ممزوج، خاص ثقیل لفظ تھا جس کا تعلق اصطلاح فقہا سے ہے۔ انیس نے مجبوراً اتنا نازک و مناسب موقع مصرع بدلا۔ جس کا لطف صرف صاحبان فن اٹھا سکتے ہیں۔ بیت لاجواب تھی رہنے دی۔

کی ہے اس بن میں نہایت شادی | صحرا ہی یہ یاں ہوگی بڑی آبادی (۱۱۳)

~~ہے کہیں وادی ایمن سے فزوں~~ یہ وادی | اس کی آبادی ہے یثرب کی مگر آبادی

دشت ایمن سے ہے رتبے میں

پائیں آرام مسافر یہ دعا ہے زینبؑ

یہیں رہنے کو ہمیں حکم خدا ہے زینبؑ

پہلا اور دوسرا مصرع صحیح نہیں پڑھا گیا۔ تیسرے مصرع کو بدلا۔ غالباً لفظ

وادی کی تکرار بھلی نہیں معلوم ہوئی۔ دوسری بات یہ کہ مصنف کے مصرع میں صرف لفظ فرزوں تھا کسی چیز میں فرزوں کسی صفت میں فرزوں نہ تھا۔ لہذا شاعر اعظم لفظ نبیہ لائے جس نے مقصود کی تکمیل کر دی۔

بیت بدل دی۔ اور کاٹی نہیں صرف کنارے نشان لگا دیا۔

وہ بیت یہ ہے۔

ہم جو اس دشت میں رہنے کی جگہ پائینگے
فاطمہ آ ئینگی محبوب خدا آئیں گے

بیت کیوں بدلی اس لیے بدلی کہ مصنف کے دوسرے مصرع میں زمانہ مستقبل ہے اب عیب دور ہو گیا۔ اس کے علاوہ مصنف کی بیت میں اور کوئی خاص بات نہ تھی۔ جس کی وجہ سے بیت بدلی جاتی۔ پہلا اور دوسرا مصرع صحیح پڑھا نہیں گیا۔

یہ بند مطبوعہ مرثیہ میں نہیں ہے۔

(۱۱۴) شہر و صحرا ہمیں یکساں ہے کہ حافظ ہے خدا | یاں کہیں اترے تو کیا اور کہیں اترے تو کیا
~~کچھ زر و مال نہیں جس کا ہو کھٹکا~~ | ~~راہ خالق میں یہ فقیروں کو خوشی ہے اغذا~~
مال و زر والوں کو ہوتا ہے تلف کا کھٹکا | غربا کی وہی منزل ہے جہاں مل گئی جا
~~کیا خبر تھی کہ الم پائیں گے~~
موت دامن کو نہ چھوڑے گی جدھر جائیں گے
ہر طرح زیست کے دن سفر گزر جائیں گے

مصنف کا تیسرا مصرع درست تھا کوئی عیب نہ تھا صرف خوبی بڑھانے کے لیے بدلا

وہ یہ کہ عام بات کہہ دی یعنی صاحبان دولت کو دولت تلف ہونے کا خیال ہوتا ہے۔ اب قائل بھی اسی قول کے ماتحت آ گیا۔ ایک مفہوم بھی ملے آگئے اور مقصود مصنف بھی باقی رہا۔ چوتھا مصرع سُست تھا۔ مشہور مقولہ کو لا کے مصرع شاندار کر دیا یعنی غریب کا گھر کہاں جہاں جگہ مل گئی وہیں پڑ رہے۔ پانچواں مصرع اس لیے بدلا کہ اس طرح کے مصرع قبل میں آ چکے ہیں۔ قافیہ کی تبدیلی کے ساتھ مصرع بدل دیا چھٹے پانچ میں گے جائیں گے ردیف قافیہ تھا اب جا بھر گزر قافیہ ہو جائینگے ردیف ہے۔ مطبوعہ مرثیے میں تیسرے مصرع کا قافیہ دھڑکا ہے۔ اصل مرثیہ میں کھٹکا یہی بہتر ہے۔

کہہ کے یہ بھائی سے فرمانے لگے مرشد کے امام　　ہو دو جنگل میں حرم پاک نہیا ہے چلیا کا کام

محل ولی

کیجے تجویز کہیں خیمۂ عصمت کا مقام　　جو کہ کربلا تو یہ بولا وہ علی کا ضرغام

جلد تجویز کیجیے خیمے　　منتظر حکم کے تھے آپ سے کہتے ہیں آقا

پہلے ہم خیمہ کی جا سوچ چکے ہیں آقا

دوسرے مصرع کی اصلاح یہ بتاتی ہے کہ محل کا لفظ زیادہ مستعمل اور سماعت سے قریب ہے تیسرے مصرع میں خیمۂ عصمت کا ٹکڑا اس لیے نامناسب تھا کہ ایک تو عصمت کا خیمہ کیا معنی۔ دوسرے خود معصوم اپنی زبان سے خیمۂ عصمت نہیں کہے گا۔ لہذا اصلاح سے مزین فرما دیا۔

شہ نے فرمایا کہاں عرض یہ کی بھوکے پیاسا　　بولے حضرت کوئی مانع نہیں جو لے لیجیے اعانتا (۱۴)

~~کہا عباسؑ نے~~ اے حامیِ خضرؑ و الیاسؑ — آپ مختار ہیں دنیا کے ہیں کیا وسواس
پھر یہ کی عرض کہ — کس کی طاقت ہے جو اس بات میں انکار کرے
کھینچ لوں مونھ سے زباں گر کوئی تکرار کرے

سمجھ میں نہیں آتا کہ تیسرے مصرع میں کیوں اصلاح فرمائی اس لیے کہ مصرع بالکل درست تھا پہلے مصرع میں شہ نے فرمایا کہاں اور جناب عباسؑ نے یہ عرض کی کہ نہر کے پاس۔ دوسرے مصرع میں پھر حضرت نے فرمایا کہ کوئی مانع نہ ہو جناب عباسؑ نے عرض کیا کہ اے حامیِ خضرؑ و الیاسؑ۔ جس کو مصنف نے یوں ادا فرمایا کہ (کہا عباسؑ نے۔ اے شاعرِ اعظم انیسؔ) نے کاٹ کے (پھر یہ کی عرض کہ) بنا دیا اگر ۳ مصرع نہ ہوتا یعنی (بولے حضرت کوئی مانع نہ ہو اے شہ اساس) تو پھر یہ کی عرض مربوط رہتا۔ جب بھائیوں میں گفتگو باہم ہو ہی رہی تھی تو پھر کا لفظ ۲ مصرع کے بعد زائد سا معلوم ہوتا ہے۔ یا یہ مصرع ۱ مصرع کے بعد ہوتا تو بہتر ہوتا۔

صاحبانِ فن میری تحریر غور سے پڑھیے میں نے اعتراض نہیں کیا ہے ایک ادبی نکتہ نکالا ہے۔ یعنی انیسؔ کی اصلاح کو صحیح سمجھتا ہوں۔ میری مجال نہیں کہ ان کی اصلاح میں کچھ چون و چرا کر سکوں۔ لیکن غور فرمایئے اگر خیال غلط ہو تو میری اصلاح فرما دیجیے میرے نزدیک بمقتضائے بشریت نظر نہ پڑ سکی۔

میں مصنف کے تیسرے مصرع کی اس لیے بھی تائید کرتا ہوں کہ لفظ عباسؑ کا آنا بہت ضروری تھا۔ اس لیے کہ دنیا تو سمجھ گئی کہ بھائی سے مراد حضرت

عباسؑ ہیں۔ لیکن اصول مرثیہ گوئی اتنے اخفا کی اجازت نہیں دیتے اس کے قبل کے بند
نمبر ۱۱۵ میں بھی جناب عباسؑ کا نام نہیں ہے۔ اس جگہ مصنف کا استعمال نہایت برمحل معلوم
ہوتا ہے۔ چونکہ اصلاح دی گئی اور نام نکال دیا گیا۔ اب بھی بہتر ہے۔ پانچویں مصرع
میں (بات) کو کاٹ کے لفظ (امر) بنا دیا۔ یہ بہترین اصلاح اس لیے ہے کہ امر یعنی حکم
سے انکار برا ہوتا ہے۔ بات سے انکار میں وہ زور نہیں گو اس محل پر امر یعنی حکم نہیں۔
امر بات کے معنی میں ہے لیکن چونکہ امر کے معنی حکم بھی ہیں۔ اس لیے لفظ امر بہترین
اصلاح ہے۔ چوتھے مصرع میں جناب عباسؑ عرض کر رہے ہیں کہ آپ دیکھیں کیا کہتا ہوں۔ چھٹے
مصرع میں (کھینچ لوں منہ سے زباں) یا چوتھے مصرع میں ہمیں کی جگہ مجھے ہے۔
یا چھٹے مصرع میں کھینچ لوں کی جگہ کھینچ لینا ہے۔

۱۱۷ ہنس کے شبیرؑ نے فرمایا کہ اچھا اچھا جس جگہ تم کو مناسب ہو کرو خیمہ بپا
شہ نے کچھ سوچ کے جو مناسب ہو جگہ واں پہ
سن کے یہ آیا لب جو دلبر ضرغام خدا دی یہ حمالوں کو تنبیہ نے ترائی میں صدا
آؤ اندر کہ اب دیر ہے کیا ۴ کھول کر بار قناتوں کو لگاؤ جلدی
اونٹ خیمے کے یہاں لا کے بٹھاؤ جلدی
۵ اونٹ خیموں کے کدھر ہیں انھیں لاؤ

ہنسنے کا کوئی محل نہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جناب عباسؑ کی دلیرانہ گفتگو پر مسکرائے
تو یہ کوئی خاص بات اتنے بڑے جری کے لیے نہیں تھی۔ اگر کم سن بچہ اس طرح
کی گفتگو کرتا تو ہنسی یا مسکراہٹ کا محل ہو سکتا تھا۔ اصلاح بے نظیر ہوئی یعنی کچھ

سوچ کے فرمایا کہ اچھا اچھا۔ چونکہ جناب عباسؑ کی خواہش تھی کہ نہر کے پاس خیمہ بپا ہو۔ اور نہر ہی یہ یا قریب نہر شہادت واقع ہونے والی تھی اس لحاظ سے حضرت کا سوچ کے فرمانا۔ ایک مرقع کشی ہے۔ اس اصلاح کا جواب نہیں۔ ہنس کے فرمانا مناسب نہ تھا۔ رو کے فرمانا بھی شایان شان سیدالشہداء نہ تھا بس سوچ کا لفظ نگینہ ہے۔

نمبر۲۔ مصرع میں ترمیم فرمائی (جس جگہ تم کو مناسب ہو) یہ ٹکڑا ترکیب اور زبان کے اعتبار سے برمحل نہ تھا بلکہ اگر (جو جگہ) ہوتا تو شاید اصلاح نہ فرماتے۔ اسی وجہ سے اصلاح میں (جو) کا لفظ اور (جگہ) کا لفظ لے آئے اور یوں بدلا (جو مناسب ہو جگہ وہاں) چوتھے مصرع میں اصلاح فرمائی گو مصرع اپنی جگہ درست تھا صرف خوانندگی کے لیے مناسب ہو گیا مصنف کے چھٹے مصرع کو بدلا۔ اس لیے کہ چوتھے مصرع میں اک صورت اور ایک ادا پیش فرمائی تھی لہذا چھٹے مصرع کو یوں بدلا کہ (کہ مصرع میں) پانچواں مصرع قرار دے کے کاٹ ڈال دیا اور مصنف کے پانچویں مصرع کو چھٹا قرار دے کے کاٹ ڈال دیا۔ اب پڑھنے کے لیے شاندار مصرع ہو گئے۔

(۱۸) دوڑے یہ سنتے ہی خدام شہ عرش نشیں / صاف کرنے لگے فراش ترائی کی زمیں
لاکے حمالوں نے ٹھہرا دیا ناقوں کو وہیں / متوجہ ہوئے سب ~~بڑھ کے رفیق شہ دیں~~
بڑھ کر رفقاء

کھل گیا سبط رسول عربی کا خیمہ
نصب ہونے لگا فرزند نبی کا خیمہ

چوتھے مصرع میں اس لیے اصلاح دی۔ الفاظ کم ہو جائیں مصنف کی چار لفظوں کو کاٹ کے تین لفظوں سے کام چلایا۔ بیت پسند خاطر نہ ہوئی بدل دی وہ یہ ہے۔

قبۂ خیمۂ پُر نور جو سارا چمکا
آئی آواز کہ ریتی کا ستارا چمکا

اگر میں اپنے مرثیے میں بیت لگاتا تو پانچویں مصرع یوں نکالتا (قبۂ خیمۂ پُر نور تمھارا چمکا) اپنا چھٹا مصرع بڑے میر صاحب نے پھر خود بدل دیا اور وہ یہ ہے۔

شور دریا سے یہ اُٹھا کہ ستارا چمکا

دونوں مصرع برابر کے ہیں کوئی خاص فرق نہیں۔ دوسرے مصرع میں رعایات لفظی خاصے جمع ہو گئے ہیں۔ جو اس دور کا ایک خاص رنگ تھا اور بس۔

~~گرد خیمہ کے استادہ دو غیور تھا~~　　یک بیک آنے لگی فوج کے ڈنکے کی صدا (۱۱۹)
خیمہ برپا نہ ہوا تھا کہ ہوا غل برپا
علی اکبر نے خبردار سے مڑ کر یہ کہا　　رُخ کدھر فوج کا ہے جلد خبر دوڑ کے لا
یہ دو سرخ نشاں ہیں جو نظر آتے ہیں
اس طرف آتے ہیں یا اور کہیں جاتے ہیں

اصلاح سے واقعہ کے تسلسل میں جان پڑ گئی۔ گو مصرع مصنف ایک حد تک صحیح تھا باقی مصرع مناسب تھے رہنے دیئے۔

سن کے یہ دوڑ گیا وہ صفت برق نظر　　اور پھرا مثل ہوا لے کے یہ رستے سے خبر
صبا

کوفہ و روم و ری و شام کا ہے یہ لشکر | ہیں جو ان میں سے ہزاروں میں مگر رخ ہے اُدھر
~~سب نشاں کھولے تو باندھے ہوئے صف آتے ہیں~~
بیرقیں کھولے ہیں
فصل گرمی کی ہے دریا کی طرف آتے ہیں

دوسرے مصرع میں لفظ (ہوا) کو کاٹ کے (صبا) بنا دیا۔ ہوا میں کوئی عیب نہ تھا صرف یہ بات تھی کہ ہوا بری بھی ہوتی ہے۔ اور اچھی بھی ہوتی ہے۔ دونوں صفتیں ہوتی ہیں اور یہ لیس ہونے والا فوج حسین بلکہ سرکار حسین کی ایک فرد ہے۔ اُس کے لیے فقط صبا ہی مناسب ہے کیونکہ اچھی ہوا کو کہتے ہیں برائی کا اس میں شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ پانچویں مصرع کے پہلے جزو کو کاٹ کے (بیرقیں کھولے) بنایا اس لیے کہ نشان اس وقت کھلتا ہے جب طرفین کی فوجیں آمنے سامنے ہوں اور جنگ کی بالکل آمادگی ہو۔ بیرقیں چونکہ علامت لشکر ہوتی ہیں۔ اور فوج ابھی راہ طے کر رہی ہے۔ کسی سے مقابلہ نہیں ہے لہذا بیرقیں بہت مناسب مقام تھیں یہ بند بعد اصلاح اپنی نظیر آپ ہو گیا۔

(۱۲۱) دفعتاً تیغ بکف ہو گئے سب یاں کے دلیر | علی اکبر نے رکھی دوش پہ تیغ شمشیر
~~تول کر نیزہ بڑھے ابن حسن صورت شیر~~ | بولے مسلم کے پسر ہو گئے نیزہ تولنے کے دیر
تولے نیزے کو
ستم ایجاد لوں کو دم بھر کی نہ مہلت دینگے
عوض خون پدر کوفیوں سے ہم لیں گے

اس بند کے تیسرے مصرع کو تھوڑا سا بنا کے کاٹ دیا۔ جو شکل بنی ہوئی ہے کہ یہ اساتذہ متقدمین کے کاٹ دینے کی خاص علامت ہے۔ مصرعے ڈھیلے بہت سست تھی چست کرنا مناسب نہ معلوم ہوا۔ اس لئے مرثیہ سے نکال دیا۔

(۱۴۲) مثل ضیغم ہوئے برہم پسران جعفر — ~~غیظ میں شیر علی ہاتھ میں لی شمشیر دو سیر~~

علی اکبر نے بھی لی ہاتھ میں

(۱۴۳) بھولے چھوٹے سے ہلانے لگے زینب کے پسر — ~~کہتے تھے اس طرف آئیں تو بھلا بانی شر~~

۳ تو لے نیزے کو بڑھا رحمتِ جانِ شبر

نفیس

~~کام جو بابوں کا کیا شیر جواں اپنا دکھیں~~

~~چھوٹے بیٹے ہو نہیں زینب جو ہیں اپنا دکھیں~~

انیس

غیظ میں تیغ کے قبضے کو کبھی چومتے تھے

نہر پہ شبیر کے عباس علی گھومتے تھے

نمبر ۲ مصرع کو اس لیے بنایا کہ مصنف کا مصرع بیکار و زائد تھا اس لیے کہ ما بعد کے مصرعوں میں صاحبزادگان کے جذبات کا اظہار تھا۔ پہلے مصرع میں پسران حضرت جعفر کا تذکرہ تھا اس لیے دوسرے مصرع میں حضرت انیس نے جناب علی اکبر کے جوش کی تصویر کشی کی۔ تیسرے مصرع میں مصنف نے پسران جناب زینب کی ہمت و جرأت دکھائی تھی چوتھے مصرع میں مصنف کا ایک مقولہ بیان کیا تھا کہ ہمارے چھوٹے بھلا بانی شر ادھر تو آئیں۔

جناب انیس نے چوتھے مصرع کو کاٹ کے ایسا مصرع بڑھایا جس میں

جناب قاسم کے جوش شجاعت کی پوری تصویر تھی چونکہ جناب قاسم کے ذکر کا اضافہ ہوا تھا لہذا اس مصرع کو ۳ کر دیا اور جناب زینبؑ کے بچوں کے تذکرے والے مصرع ثالث کو ۴ کر دیا - جیسا کہ نشانات سے ظاہر ہے -

مصنف نے اپنے چوتھے مصرع سے بیت لگائی تھی مصرع بدلنے کے بعد بیت بیکار ہو گئی تھی لہذا شاعر اعظم نے خود کہہ کے ایسی بیت لگائی جو اب چوتھے مصرع سے مربوط ہے - بند بالکل مکمل ہو گیا

(۱۲۳) دیکھ کر تیغ کے قبضے کو یہ بولے عباسؑ | ادھر آتے ہیں تو آنے دو ہمیں کیا وسواس
حق یہ ہے ہمیں کیا لشکر باطل سے ہراس | اتنی طاقت نہیں آئے جو کوئی نہر کے پاس
ہاں بچا خیمۂ سلطان خوش انجام کرو
اس طرف آ نہیں سکتا کوئی تم کام کرو

یہ بند جناب بڑے میر صاحب نے غالباً اس لیے کاٹ دیا کہ اس کا چھٹا مصرع مذموم تھا یعنی (اس طرف آ نہیں سکتا کوئی تم کام کرو)

(۱۲۴) ذکر یہ تھا کہ قریں گھاٹ کے آ پہونچی سپاہ | دشت سب ہو گیا لشکر کی سیاہی سے سیاہ
فوج ہی فوج تھی جنگل میں جدھر کیجے نگاہ | تنگ کثرت سے لعینوں کی ہوئی وسعت راہ
خوف سے امن کو بھی واں نہ اماں ملتی تھی
دور تک گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمیں ملتی تھی

تیسرے مصرع میں صرف ایک لفظ بنایا (ہی) کو کاٹ دیا (یہ) بنا دیا - یہ کے لفظ سے کثرت فوج میں اور مبالغہ ہو گیا - گو پہلے بھی مبالغہ تھا - بہترین اصلاح دی -

تول کر نیزوں کو بڑھنے جو لگے اہلِ ستم — علی اکبرؑ نے صدا دی کہ بڑھانا نہ قدم (۱۲۵)
نصب ہوتا ہے ادھر خیمۂ سلطانِ اُمم — شیر اُترے ہیں بھلا یہاں تم سے کہے دیتے ہیں ہم
صید ہو جاؤ گے بڑھ کر جو ادھر آؤ گے
~~گر کوئی بے ادبی کی تو سزا پاؤ گے~~
پاؤں دریا پہ جو رکھا

چونکہ دریا پر خیمے نصب ہو رہے تھے۔ اس لیے وضاحت کے خیال سے حضرت انیسؔ نے چھٹے مصرع میں اصلاح فرما دی اور وہ یہ کہ (پاؤں دریا پہ جو رکھا) اب محلِ موقع کی پوری مرقع کشی ہو گئی۔

روک کر گھوڑوں کو بولے بخشونت وہ لعیں — کس نے روکی ہے یہ دریا کے کنارے کی زمیں (۱۲۶)
جا ہماری ہے یہ شاید تمہیں معلوم نہیں — جلد اٹھواؤ ترائی سے خیامِ شہِ دیں
شام تک دشت یہ سب فوج سے بھر جائے گا
~~کل یہ وہ جا ہے کوئی اڑ کے نہ یاں آئے گا!~~
یاں تم اترے تو وہ انبوہ کہ بھر جا

حضرت مصنف نے کسی حد تک محاورہ سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا۔ محاورہ دراصل یہ ہے کہ (پرندہ پر نہیں مار سکتا) یعنی یہ وہ جگہ ہے۔ جہاں کوئی نہیں آ سکتا جدت یہ ہے کہ اڑنے والا تیا نور بھی جسے کوئی روک نہیں سکتا اس کا بھی یہاں گزر نہیں محاورہ کی تعریف یہ ہے کہ بعینہٖ یا بجنسہٖ صرف کیا جائے جہاں ایسا نہ تھا۔ مقصود ضرور ادا ہو گیا۔ بڑے میر صاحب نے چھٹا مصرع بدل دیا۔ اور قافیے میں بھی تبدیلی فرما دی

پہلے (جائے گا) (آئے گا) ردیف قافیہ تھا - اب (بھر) (کدھر) قافیہ جائے گا ردیف قرار پا گئے۔

(۱۲۷) جا کے ریتی پہ رہو نہر سے تم کو کیا کام
پسر سعد کے اور شمر کے یاں ہونگے خیام
گھاٹ کو روکنے آیا ہے یہ سب لشکر تمام
بوند اس نہر کے پانی کی نہ پائیں گے امام
کثرت فوج سے یہاں یہ ترائی ہوگی
صبح سے شاہ پہ لشکر کی چڑھائی ہوگی

(۱۲۸) سن کے یہ ہونٹ چبانے لگے عباس ادھر
جھوم کے دوش سے لی ہاتھ میں غازی نے سپر
شیر نے موڑ جو ترائی سے نکالا باہر
گر پڑے ڈر کے لعیں ہل گئے سینوں میں جگر
دشت کانپا تو مکاں اُن کا نایا سب ہوا
موجیں پٹنے لگیں دریا کو بھی قلق آب ہوا
کا

بند ۱۲۷ میں کوئی اصلاح نہیں فرمائی - نہ ضرورت تھی ۱۲۸ کے چھٹے مصرع میں بالکل ذرا سی ترمیم فرمائی (کی) کو (کا) کر دیا۔ مصنف کے مصرع میں (کی) کے ساتھ (بھی) زائد سا تھا - اس لیے کہ موجیں پٹنے لگیں دریا کی بھی - آپ کے مصرع سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دریا کے علاوہ بھی کسی چیز میں موج آئی ہو - اصلاح کے بعد (بھی) کا تعلق دریا سے ہو گیا۔

~~دی بیباں نے پھیر کر~~ صفت شیر ژیاں
ہم کو دریا سے ہٹا دے کوئی کیا تاب و تواں
فوج ظلم کو صدا دی

~~یہیں ہووے گا~~ بپا خیمۂ شاہ دوجہاں — خوف کیا ہم کو جو لاکھوں ہیں اُدھر بے ایماں
ہاں یہیں ہوگا — تول کر تیغ جو نعرہ تہ افلاک کریں
تم تو انساں ہو پہاڑوں کے جگر چاک کریں

اصل مصرع مصنف ہو یا اصلاح۔ دونوں سے مصرع اولیٰ میں یہ ظاہر ہے مطلب ہے کہ جناب عباسؑ نے فوج کو اُس طرح آواز دی جس طرح شیر آواز دیتا ہے۔ اور شیر آواز نہیں دیتا۔ یہ کوئی عیب نہیں۔ تمام اساتذہ نے اسی طرح استعمال کیا ہے۔ اور یہ صحیح ہے۔ نمبر۲ مصرع کا پہلا جزو بدلا۔ اس لیے کہ مصنف کے مصرع میں (ہووے گا) تھا۔ ظاہر ہے کہ اس میں (ہوگا) کی جگہ ہووے گا استعمال کیا ہے یہ مخل فصاحت ہے فصحا لکھنؤ ہمیشہ (جاویں گے) کے بجائے (جائیں گے) بولتے تھے یہی وجہ ہے اصلاح دی اور (ہاں) کے لفظ سے زور پیدا کر دیا۔ باقی مصرع درست تھے رہنے دیے۔

خیمۂ شاہ ترائی سے اُٹھاؤ تو بھلا — لال کر دیں ابھی خوں سے یہ بیابان بلا (۱۳۰)
ہم وہ ہیں جن سے یہ شیر فلک بھی دہل جائیگا — اس کے خادم ہیں جو آغوش نبیؐ کا ہو پلا!
محمدؐ کا
~~فخر کونین کے معراج~~ اُمم آئے ہیں
خیمے دریا پہ بپا کرنے کو ہم
تم نہیں جانتے یاں کس کے قدم آئے ہیں

مصرع ۲ میں مختصر سی ترمیم فرمائی مگر زور کافی پیدا کر دیا۔ گو وہ بھی غلط نہیں ہے۔ نمبر۵ مصرع کو گویا بدل دیا۔ چونکہ جناب عباسؑ کو غیظ ہے اور فوج سے

خطاب فرماتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ تمھاری مجال ہے کہ بھلا تم حسین کا خیمہ ترائی سے اٹھا سکو۔ ابھی تلوار چل جائے اور بیابان بلا لہو سے لال نظر آئے ہیں وہ ہیں کہ انسان تو انسان شیرژں کا زور ہم سے نہ چل سکا۔ ہم اس ذات کے خادم ہیں جس نے رسولؐ کی گود میں پرورش پائی ان سب کے بعد مصنف کا پانچواں مصرع بھرتی کا تھا حضرت انیس نے ایسا مصرع بدلا کہ شان ہی دوسری ہو گئی۔ (خیمے دریا پہ بپا کرنے کو ہم آئے ہیں) اس میں رہم کے زور کی کوئی انتہا نہیں سا اب رہا چھٹا مصرع اس کا تعلق مابعد والے بندسے ہے اس لیے رہنے دیا۔

(۱۳۱) پسرِ شیرِ خدا احمدِؐ مرسل کا خلف زینتِ عرشِ بریں فخرِ رسولانِ سلف

نورِ حق خاتمِ رحمت کا نگیں دُرِ نجف ~~جس کا رخ دیکھنے میں آیا نظر حج کا شرف~~

اک نظر جس کی طرف دیکھنے میں

~~اس کا تم خیمہ اُٹھاؤ گے ہمارے جیتے~~

جانِ زہرؐا خلف حیدرِ کرار ہے وہ

~~گھاٹ کو روکئے آ کے ہمارے ہوتے~~

ہم بھلا کون ہیں کونین کا مختار ہے وہ

چوتھے مصرع میں کھلی ہوئی تعقید تھی۔ بدل دینا ضروری تھا۔ اتنا صاف مصرع بدلا کہ جان ڈال دی۔ بیت بالکل سُست تھی اتنے شاندار مصرعوں کی بیت ایسی ہی ہونی چاہیے تھی جیسی بڑے میر صاحب نے بدلی۔ بند نمونہ کمالات ہو گیا۔ سبحان اللہ کیا اصلاح فرمائی ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ حضرت انیس کی ذات غیر معمولی

ذات تھی اب تک دنیا اُن کے خاص رنگ میں مثال پیش نہ کر سکی اور اب آنے والے زمانے میں کیا امید کی جا سکتی ہے جب یہ فن ہی ختم ہو گیا

چھین لے ہم سے یہ جا یہ بھی کسی کی ہے مجال　　　سامنے سے مرے ہٹ جاؤ نہیں بد ہے مآل (۱۳۲)
تم سگ زرد سے بدتر ہو کہ ہو اہل ضلال　　　شیر رہتے ہیں ترائی کی زمیں پر کہ شغال
اصل کیا سامنے رہ سکتے ہیں گمراہوں کی
کب اسد مانتے ہیں گھبکیاں روباہوں کی

یہاں پہلے دوسرے مصرع میں بالکل قریب قریب تکرار تھا یعنی پہلے مصرع میں (ہم سے) دوسرے مصرع میں (مرے) وہاں دونوں مصرع سُست بھی تھے بلکہ پورا بند بھرتی کا تھا صرف سُست ہونے کی وجہ سے بند نکال دیا۔

ہم پہ سر ہو زمانے میں کوئی کیا مقدور　　　اپنا تم خیمہ یہاں سے کہیں برپا کرو دُور (۱۳۳)
منھ سے جو کہتے ہیں غازی وہی کرتے ہیں ضرور　　　ہم ہیں مختار وہ عالم نہ سمجھنا مجبور
تم ہو کیا حکم اگر شاہ خوش اقبال کریں
شام کو چھین لیں اور روم کو پامال کریں

صرف چھٹے مصرع میں (روم) کا لفظ کاٹ کے (کوفے) لکھ دیا اس اصلاح کا کیا کہنا۔ روم کی پامالی کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ شام کو اس لیے پامال کرنے کا ارادہ تھا کہ وہ پایۂ تخت یزید ملعون تھا۔ میر صاحب نے کوفہ اس لیے بنایا کہ یہاں کا والی ابن زیاد ملعون تھا شام کے ساتھ کوفے کا لفظ بہت مناسب ہے۔

سامنے اپنے فلک اتنی بلندی پہ ہے پست　　　خاک اسلام کے آگے نہیں جو ہیں کفر پرست (۱۳۴)

ہے زمیں ساری ترائی کی ہماری حد لبت　　　پھر کیا لوگے جو دینگے بھی تو ہم دینگے شکست

~~فتح غزنے کئے اعدا~~ کا علم چھین لیا
لشکر جن سے لڑے طبل و
~~لشکر جن سے لڑے~~ بیرالم چھین لیا
پھر کیا چیز ہے جب

صرف بیت میں اصلاح فرمائی۔ اور قریب قریب بیت بدل دی۔ اصلاح کے بعد بیت کی شان دوبالا ہو گئی۔ چونکہ اس خاندان میں خوانندگی ایک خاص فن تھا روزانہ مشق کیا کرتے تھے۔ شاگردوں کو پڑھنا بتاتے تھے اس میں کافی ریاضت ہو جاتی تھی اسی وجہ سے زیادہ تر مصرع بھی اسی شان کے نکالے جاتے تھے جو پڑھائی کے قابل ہوں۔ اور حسب دلخواہ ادا ہو سکیں اور مرضی کے مطابق پڑھے جا سکیں۔ چنانچہ جو بیت بدلی ہے وہ پڑھائی سے اک خاص خصوصیت رکھتی ہے۔

اساتذہ میں اس امر میں اختلاف ہے کہ اگر دو مختلف چیزوں کے درمیان عطف ہو تو بعض کہتے ہیں کہ جمع کی صورت سے استعمال کرنا چاہیے۔ مثلاً تیغ و خنجر مارے بولنا چاہیے۔ تیغ و خنجر مارا اُن کے نزدیک درست نہیں بعض کا خیال ہے کہ نہیں گو دو چیزیں ہیں۔ اور درمیان میں عطف ہے۔ مگر بصورت واحد استعمال کر سکتے ہیں۔ جناب میر صاحب اس کے قائل نہیں چونکہ مستند استاد ہیں ان کا فرمانا حجت ہے۔ اور آنے والی نسلوں کے لیے ان کا عمل خضر راہ ہے لہذا معلوم ہوا ہے کہ طبل و علم چھین لیا بھی درست ہے بصورت جمع استعمال زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔

(۱۳۵) آؤ میداں سے بڑھو سر پہ گر آئی ہے اجل ابھی آنکھوں میں سماتے نہیں یہ فوج کے دل
غیر کا دخل نہیں نہر پہ اپنا ہے عمل قصر گردوں بھی گرے گر تو نہ چھوڑیں یہ محل
خوں کے دریا میں بہائیں گے صفیں توڑیں گے
مر کے بھی ہم نہ ترائی کی جگہ چھوڑیں گے

اس بند میں کہیں اصلاح نہیں دی۔ عہد انیس رحمہ کے بعض اساتذہ بغیر ترکیب نون غنہ کا اعلان صحیح سمجھتے تھے جیسے (خون) اگر تنہا استعمال کرتے تھے تو اعلان کے ساتھ (خون) کہتے تھے اگر ترکیب کے ساتھ استعمال کرتے تھے تو اعلان ناجائز بلکہ حرام سمجھتے تھے (بعض اساتذہ ترکیب کے ساتھ استعمال کرنے کے بعد اعلان نون ناجائز سمجھتے تھے مگر بغیر ترکیب اعلان کو اخفا پر ترجیح دیتے تھے لیکن اخفا کو بھی بغیر ترکیب ناجائز نہیں سمجھتے تھے۔ بغیر ترکیب اخفا کا نون کچھ اچھا نہیں لگتا۔ اعلان ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔

(۱۳۶) کھل گیا مکر تمھارا جو خطوں میں تھا لکھا تم ہو کیا شمر ہو کیا اور پسر سعد ہو کیا
پھر گئے یوں کہ نہ کی ایک نے عہد کی وفا مہمانوں سے اسی طرح سے کرتے ہیں جفا[1]
لے کے بچوں کو یہاں شاہ امم آئے ہیں
تم نے جب ہم کو بلایا ہے تو ہم آئے ہیں

اس بند میں بھی کہیں اصلاح نہیں فرمائی نمبر ۳ مصرع میں (اس طرح سے) نظم ہوا ہے مگر (سے) زائد ہے گو کوئی استاد ایسا نہیں جس نے اس زائد کو نہ استعمال

[1] مہمان اور میہمان دونوں طرح استعمال صحیح ہے لیکن میہمان دیا کے ساتھ نہیں لکھتے صرف نظم کر دیتے ہیں۔ اور مہمان کی طرح لکھتے ہیں۔

کیا ہو۔ حد ہوگئی کہ زائد زائد نہ رہا جائز ہو گیا۔

(۱۲۷) کہہ کے یہ غیظ میں عباسؑ علمدار بڑھے وان سے بھی کھینچ کے تیغوں کو ستمگار بڑھے
ساتھ عباسؑ کے سب لے بھی جرار بڑھے ہو کے بیتاب ادھر سے شہ ابرار بڑھے

صفدر یہ

دی یہ آواز کہ بس آگے نہ جاؤ عباسؑ
~~بھائی صفدر تے ہو سنو~~ تو ادھر آؤ عباسؑ
میں قسم دیتا ہوں آؤ

مصنف کا تیسرا مصرع اس طرح ہو۔

ساتھ عباسؑ کے سب اور بھی جرار بڑھے

جناب میر صاحب نے (اور بھی) کو کاٹ کے (صفدر و) بنا دیا یعنی صفدر کا عطف جرار کی طرف ہو گیا بعض اساتذہ جو عہد انیس میں تھے اُن کے نزدیک یہ ترکیب صحیح نہیں ان کا مقولہ یہ تھا کہ جرار کے لغوی معنی لغت میں کشندہ لشکر کے ہیں یا وہ لشکر جو لہریا لیتا ہو آگے بڑھے۔ جرار بمعنی بہادر۔ دنیا کے کسی لغت میں نہیں ہے یہ عربی زبان کا لغت ہے۔ اور اس کے معنی جب عربی زبان میں بہادر کے نہیں ہیں اور اہل ہند بہادر کے معنی میں بولتے ہیں تو یہ لفظ ان معنی میں اردو ہے۔ جب اُردو ہے تو ترکیب کیونکر صحیح ہو سکتی ہے یہ مثال عطف کی ہے۔ بالکل یہی صورت بحالت اضافت بھی ہوگی۔ یعنی (اکبر جرار) کہنا ان کے نزدیک صحیح نہیں۔ ان اساتذہ کا اس ترکیب کے صحیح نہ ہونے پر ایک استدلال بھی تھا۔ وہ یہ کہ جس ملک کی جو زبان ہو اس میں صحیح

الفاظ و استعمال محاورات کا حق صرف اہل زبان کو ہے یعنی ایران کے باشندگان کو یہ حق نہیں کہ وہ اُردو زبان کے محاورات یا لغات یا قواعد میں کوئی دخل دیں۔ اسی طرح اہل ہند اس کے مجاز نہیں کہ وہ کوئی فارسی محاورہ بنائیں یا لفظ وضع کریں یا فارسی لفظ کو اس کے لغوی معنی کے علاوہ خود کسی معنی میں استعمال کریں اور یہ کہیں کہ اب بھی لفظ فارسی ہے۔ اگر اہل ہند عربی یا فارسی لفظ کو معنی موضوع لہ کے خلاف استعمال کریں گے تو لفظ عربی ہو یا فارسی اردو کہلائے گا اس لیے کہ ہندوستان اہلِ فارسی زبان پر حق تصرف نہیں رکھتا جس طرح عرب و ایران ہندوستانی زبان پر حق تصرف نہیں رکھتے۔ اسی طرح اگر عرب یا ایران والے کسی اُردو لفظ کو وہ جن معنی میں ہندوستان میں بولا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ خود کسی معنی میں بولنے لگیں گے تو لفظ ان معنی میں اُردو نہ رہے گا بلکہ عربی یا فارسی کہلائے گا۔ چونکہ جبّار اپنے معنی موضوع لہ کے خلاف اہل ہند بولتے ہیں۔ اس لیے اس پر اُردو ہونے کا حکم جاری کیا جائے گا جب اردو ہو جائے گا۔ تو عربی یا فارسی ترکیب کے ساتھ استعمال نہیں کیا جا سکتا ہاں اُردو عطف و اضافت کے ساتھ بولا جا سکتا ہے۔ مثلاً فلاں شخص مفسد اور جبّار ہے یا فلاں شخص جبّار ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جبر انشا و دبیر اور بڑے بڑے اساتذہ نے کیوں استعمال کیا جب استعمال کیا ہے تو جائز کیوں نہیں قرار دیا جاتا۔

جواب یہ ہے کہ وہ استاد تھے انھیں حق اجتہاد حاصل تھا استعمال فرمایا اور یہ سمجھتے ہوئے استعمال فرمایا کہ ایسا نہ ہونا چاہیے۔ لیکن جائز ہونے میں تامل ہے

اس لیے کہ قاعدہ کبھی بدلتا نہیں اور یہ قاعدے کے تحت میں ہے۔ یعنی تقلید" استعمال ہو سکتا ہے۔ یہ قاعدہ اور یہ حکم ہر اس لفظ پر جاری ہوگا جو اس کے مانند ہو۔ یہ اساتذہ کے معمولات کا تذکرہ کیا ہے۔ معاذ اللہ کوئی اعتراض حضرت انیسؔ رحمۃ اللہ پر نہیں ہے میرے بزرگ تھے صرف عوام کے فائدے کے خیال سے ذکر کر دیا۔ جناب میر صاحب جو کچھ بھی فرمائیں دنیا کے لیے حجت ہے۔ یہ وہ ذات ہے کہ اس کا کلام مثال میں پیش کیا جاتا ہے اور صحیح ماننا پڑتا ہے۔

چھٹے مصرع میں بھی اصلاح فرمائی۔ چونکہ مصنف نے (صدقے) کا لفظ استعمال فرمایا تھا لہذا بدل دیا۔ سید الشہدا کے لیے (بھائی صدقے ہو) کہنا کچھ اچھا نہ تھا (میں قسم دیتا ہوں) بنا دیا اور زور میں اضافہ کر دیا۔

(۱۳۸) ہاتھ ان پہ نہ اُٹھاؤ مرا مانو کہنا اچھا اچھا تمھیں دریا کے کنارے رہنا
~~خونِ مسلمانوں کا بھائی نہیں بہتر بہنا~~ ابھی اعدا کا ہمیں جبر بہت ہے سہنا
نہیں منظور مسلمانوں کے خوں کا

ہے گوارا جو نہ پانی کا ہمیں جام ملے
ہم کو ایذا ہو انھیں کو کہیں آرام ملے

صرف تیسرے مصرع میں اصلاح فرمائی۔ اس لیے کہ مصنف کے مصرع میں انتہائی تعقید تھی۔ بھائی مسلمانوں کے خوں کا بہنا بہتر نہیں اس کو یوں نظم فرمایا (خونِ مسلمانوں کا بھائی نہیں بہتر بہنا۔ دوسری بات یہ کہ (بہتر) اور (بہنا) متصل جمع ہو جانے سے بھلے نہیں معلوم ہوتے لہذا مصرع بدلنا ضروری خیال فرما کے بدل دیا۔

اب دوسری بات پیدا ہو گئی۔

ان کی اس ہرزہ درائی کا یہی تھا جواب — کیا سمجھ کر ادھر آئے تھے یہ سب خانہ خراب (۱۳۹)
آنکھ غیظ و غضب سے ملائے یہ کسی کی نہیں تاب — مل گئی سب کو سزا ہو چکا بس یہی عتاب
ختم ہوا غیظ

~~غیظ اتنا ہو بہت چشم سیاہی کے لیے~~
اتنا غصہ تھا
جان کیا اپنی گنواؤ گے ترائی کے لیے

چوتھے مصرع میں تھوڑی سی ترمیم فرمائی۔ سستی دور کر کے چستی پیدا کر دی کوئی عیب نہ تھا جسے نکال دیا۔ چونکہ تیسرے مصرع کی اصلاح میں جناب میر صاحب غیظ کا لفظ لے آئے تھے اور استاد مشفق کے پانچویں مصرع سے غیظ کا لفظ نکالنا ضروری تھا اس لیے ہم معنی لفظ یعنی غصہ لے آئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پانچویں مصرع میں اصلاح نہ فرماتے۔

چھٹے مصرع کے متعلق اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ایک بات یہ پیدا ہوتی ہے کہ جناب سید رشید مرزا کا فرمانا کہ "جان کیا اپنی گنواؤ گے ترائی کے لیے" یہ تو ایک قسم کا خوف دلانا ہے۔ یعنی اے عباسؑ خاموش ہو جاؤ ورنہ اتنی بڑی فوج تمہیں قتل کر دے گی اور مفت لال سی جان چلی جائے گی۔ حسینؑ کو یقین تھا کہ عباسؑ اس فوج کا کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر بڑھے تو شکست اٹھانا پڑے گی۔

ایک بہادر کا عباسؑ سے اپنے دلیر سے کہنا۔ کہاں تک درست ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا

کہ کیا لکھوں، چھوٹا منھ بڑی بات ہو جائے گی مجھے فہم کی کمی کا اعتراف ہے۔ اصلاح نہ فرمانا دلیل صحت ہے۔

(۱۴۰) رحم دشمن پہ بھی کرتے ہیں جو ہیں خاصۂ رب — صبر لازم ہے تمھیں یہ نہیں ہنگام غضب
ان سے تکرار مناسب نہیں جانے دو بس اب — اے مرے شیر یہ ہے امت سلطان عرب
اسد اللہ بھی خاموش رہے ہیں بھائی
نانا صاحب نے ستم ان کے سہے ہیں بھائی

اس بند میں کہیں اصلاح نہیں دی (نانا صاحب) کا صرف اس خاندان کی خصوصیت ہے۔

(۱۴۱) تم ٹھہر جاؤ سمجھ لیں گے ستمگاروں سے ہم — ایک خیمے کے لیے وسعت صحرا نہیں کم
بچے روتے ہیں گرے پڑتے ہیں ناقوں سے حرم — چھوڑ دو نہر تمھیں روح محمد کی قسم
اصل دریا کی ہے کیا رحمت یزداں ہوں میں
بڑھ کے غازی نے کہا تابع فرماں ہوں میں

پورے بند میں کہیں پر اصلاح نہیں دی۔ بند عمدہ بلکہ بے نظیر ہے۔

(۱۴۲) کیا مجال اب قدم آگے نہ بڑھائے گا غلام — عذر کیا بندۂ ناچیز کو جو حکم امام
ہاں یہ صدمہ ہے مگر روح پہ یا شاہ انام — ~~شیر دریا ہوں کے آگے سے ہٹا جاتا ہوں~~
ذال ہو اس قوم کا مسکن جو ہمارا ہے مقام
~~کیا قیامت ہے کہ جرار~~ لڑائی چھوڑے
پسر حیدر کرار

شیر کہلا کے زمانے میں ترائی چھوڑیں

رخِ حق رہ باہوں کا ہو شیر

چوتھا مصرع کچھ بے ربط سا ہے۔ گو تیسرے مصرع کا یہ ہے کہ اے شاہ انام (حسینؑ) یہ صدمہ بہت بڑا ہے اور روح کو یہ شاق ہے کہ مجھ سا شیر رہ باہوں کے آگے سے ہٹ جائے مگر (مٹ گیا نام) کا ٹکڑا تو بالکل الگ سا ہے۔ بڑے میر صاحب مرحوم نے جو مصرع بدلا ہے۔ یعنی چوتھا مصرع وہ بالکل درست و گریبان ہے۔ اب جناب عباسؑ کا صدمہ حق بجانب ہے کہ اس قوم نابکار کا مسکن ترائی ہو اور عباس سا شیر ترائی سے ہٹا دیا جائے۔

پانچویں مصرع میں پھر ترمیم فرمائی (کیا قیامت ہے کہ جرار) کا ٹکڑا نکال دیا اور (پسر حیدر کرار) اس کے مقام پہ بنا دیا۔ مصنف کا ٹکڑا بھی صحیح تھا اصلاح بھی درست ہے۔ کچھ ترقی ضرور ہو گئی۔

چھٹے مصرع کے خیال سے مصنف نے ردیف جمع رکھی تھی یعنی (چھوڑیں) اصلاح کے بعد بھی بڑے میر صاحب مرحوم نے پانچویں مصرع کے خیال سے ردیف جمع ہی رکھی۔ گو اصلاح کے بعد دونوں مصرعوں میں ردیف واحد بھی بھلی معلوم ہوتی ہے یعنی (لڑائی چھوڑے) (ترائی چھوڑے)

کہہ کے یہ کلمہ تو گیا حیدر کرار کا شیر کھینچ کر رکھ لی گلے پہ اپنے شمشیر (۱۴۳)
اشک بہتے تھے اور آنکھوں میں جہاں تھا اندھیر دوڑے ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے سلطانِ کبیر
لے لیا تیغ کو اور اشکوں سے منہ دھونے لگے

اپنے بھائی سے لپٹ کر شہ دیں رونے لگے

اس بند میں کہیں اصلاح نہیں ہے۔ چھٹے مصرع میں اگر (اپنے) نہ بھی ہوتا جب بھی مطلب ادا ہو سکتا تھا۔ اگر ہے تو کوئی قباحت نہیں کچھ زائد سا معلوم ہوتا ہے

(ایک شاعر جس کا صاف ہونا ضروری ہے)

کچھ عرصہ سے شعرا جنھوں نے اپنی خوش گوئی یا قدرت کی دی ہوئی طباعی سے نام پیدا کر لیا ہے۔ اور مختصراً فن شعر کے اصولوں میں کوشش ناکامیاب بھی کی ہے فن شعر میں نئی نئی باتیں نئی نئی صورتیں پیدا کر رہے ہیں۔ کہیں کہیں اجتہاد غیر معمولی سے بھی کام لے رہے ہیں۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ محفلوں میں بحر اور تقطیع کا ذکر اس لیے چھیڑتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ ہم عروض بھی جانتے ہیں۔ کبھی کبھی شائگاں کی بحث بھی چھڑ جاتی ہے۔ ایک روز ایک مشہور شاعر چند غیر شاعر حضرات کے سامنے مسئلہ ایطا چھیڑے ہوئے تھے۔ اتفاق سے میں بھی پہنچ گیا۔ ایک میرے بزرگ نے فرمایا کہ لو اب یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ مہذب آ گیا۔ میں بعد ادائے مراسم محفل خاموش بیٹھ گیا۔ جو شاعر صاحب مسئلہ بیان فرما رہے تھے۔ انھوں نے ایک تقریر فرمائی۔ اور وہ یہ ہے کہ جناب آج کل نہ اصول کی پابندی ہے۔ نہ فن سے تعلق ہے۔ تحقیق کرتے نہیں۔ شاعر بننے کا حوصلہ ہے۔ نام پیدا کرنے کا ولولہ ہے۔ اب تو یہ حال ہو گئی ہے۔ کہ ایطا کو عیب نہیں سمجھتے۔ اور ٹوکو تو جھگڑتے ہیں۔ ایک دوسرے بزرگ غیر شاعر بولے کہ جناب بیان تو فرمائیے۔ وہ کیا ہے۔ فرمایا سنیے بیان تو کر رہا ہوں۔ کل ایک صاحب نے غزل پڑھی۔ قافیہ مہمان۔ داماں۔ حیواں تھا۔

خدا کا غضب۔ مطلع میں داماں اور ارماں پڑھ دیئے میں نے ٹوکا تو اُلجھ پڑے کیوں جناب مہذب صاحب میرا اعتراض صحیح ہے یا غلط۔

اب مہذب صاحب بڑی مجبوری میں گھر گئے اگر کہتے ہیں کہ اعتراض غلط ہے تو لکھنؤ کی رہی سہی تہذیب میں فرق آتا ہے۔ اگر کہتے ہیں کہ صحیح ہے تو اصول و قواعد کے خلاف ہے۔ دیر تک خاموش رہا۔ اصرار کے بعد نرم لہجے میں چہرے کو بشاش رکھتے ہوئے تاکہ سوال کرنے والے ناراض نہ ہوں تقریر شروع کی۔ ایک نظر اہل محفل کو دیکھنے کے بعد سر جھکا کے عرض کیا کہ میرے نزدیک داماں۔ ارماں۔ مہماں ساماں۔ یہ قوافی اگر مطلع میں آجائیں تو ایطا نہ ہوگا۔ ابھی میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ سوال کرنے والے بزرگ بول اُٹھے کہ کیوں جناب مہذب صاحب ایطا کیوں نہیں۔ داماں کا (دا) اور ارماں کا (ار) اور مہماں کا (مہ) اور ساماں کا (سا) اگر ہاں ماں علیحدہ کر دیا جائے تو کیا باقی نہ رہے گا۔ ذرا ایطا کا قاعدہ یہ ہے کہ علیحدہ کرنے کے بعد قافیہ باقی رہے۔ تو ایطا نہ ہوگا۔ میرے نزدیک تو ایطا رہے۔ میں مسکرا دیا مگر لطیف مسکراہٹ تھی کہ سوائے دو ایک ہستیوں کے کوئی محسوس نہ کر سکا میں نے کہا جی درست ہے۔ یہ بحث طولانی ہے اس لیے یہ کہہ کے کہ ایطا نہیں ہے مختصر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں سماعت فرما لیجئے پھر تقریر شروع کر دی۔

ایطا در حقیقت تکرار قافیہ کا نام ہے۔ یعنی مطلع میں قافیہ کا مکرر آنا قبیح ہوتا مثلاً کسی مطلع کے پہلے مصرع میں قافیہ (غمخوار) ہو اور دوسرے مصرع میں (کمانڈار) یا (وفادار) ہو اس کو ایطا جلی کہتے ہیں۔ اگر لفظ ایک رہے یعنی

چاروں مصرعوں میں قافیہ ایک ہو اور ہر جگہ معنی بدلے ہوئے ہوں تو قطعاً جائز ہے جیسے (بدلی) کا لفظ کہیں شرط کے ساتھ کہیں ابر کے ساتھ کہیں منتقل ہونے کے معنی میں یا جس طرح حضرت عشق رحمۃ اللہ کی بیت ہے۔

ہمیشہ قلب ہے مشتاق نظم جن جن کا
سنیں وہ حال ملاقات زعفر جن کا

یہ بالکل جائز ہے کہ معنی بدل گئے ہیں۔ دوسرے مصرع میں جن کا قافیہ علم ہے تکرار قافیہ میں شرط یہ ہے کہ صورتاً دونوں قافیہ ایک ہوں اور معنی بھی ایک ہوں جیسے خمدار و کمادار۔ قافیہ مکرر اس لیے ہے کہ لفظ دار دونوں میں ایک ہے۔ اگر دار کو علیحدہ کر دیجئے تو صرف (خم ہا ور کمان) بچے گا جو قافیہ قرار نہیں پا سکتے ہاں اگر علامت حذف کرنے کے بعد قافیہ درست ہے تو جائز ہے۔ مہمان اور ارمان میں یہ بات بالکل نہیں۔ مہمان کا (مان) جز لفظ ہے ارمان کا مان جز لفظ ہے۔ جو علیحدہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ علیحدہ وہاں کرتے ہیں۔ جہاں علامات پائے جاتے ہیں۔ جیسے عنبریں آتشیں وغیرہ۔ لہذا یہ سب قوافی مطلع میں لانا جائز ہے۔ اس تقریر کے بعد سامعین نے تو تائید کی لیکن جن بزرگ کا یہ مقولہ تھا کہ یہ قوافی جمع نہیں ہو سکتے یعنی جن کے لیے اتنی بڑی تقریر کی انھوں نے فرمایا کہ نہیں جناب مہذب صاحب میرا خیال بالکل درست ہے۔

میں نے عرض کیا کہ اصول کے خلاف ہے۔ فرمایا کہ یہ میرا اجتہاد سمجھیے میں اپنے تلامذہ کو ہمیشہ منع کیا کرتا ہوں اور خود تو احتیاط کرتا ہی ہوں۔ میں خاموش ہو گیا۔ اور خیال کیا کہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا یعنی مسئلہ سمجھا دیا۔ ماننے نہ ماننے کا اختیار

ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ایک دو دو کرکے سب رخصت ہونے لگے۔ میں بھی سلام کرتا ہوا خدا حافظ کہہ کے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے گھر چلا گیا۔ یہ سب اس لیے ذکر کیا کہ مصنف کے پہلے مصرع میں قافیہ نخیر ہے۔ اور دوسرے مصرع میں شمشیر[۱]۔ جو صاحب مہمان اور ناداں میں ایطا مانتے ہیں ان کے لیے تو حضرت نفیس کے مصرعوں میں یقیناً ایطا رجلی ہے ورنہ لیکن مصنف کے مصرع بالکل صحیح ہیں۔ کسی طرح کا کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا تمام اساتذہ متقدمین نے اسی طرح نظم کیا ہے اور کسی نے آج تک اعتراض نہیں کیا۔

ڈال کر ہاتھ گلے میں یہ محبت سے کہا　　اے جگر بند علیؑ میں تری جرأت کے فدا (۱۴۴)
ایک دم سے بھی تمہارے مرے جینے کا مزا　　بھائی مر جاتا نہیں تم ہوتے جو غربت میں جدا

~~تم تو ہو جان تن دلبر نہ گھبراؤ کے لیے~~
خیبر جنگل ہے بہت
اپنے ضیغم کو گنوا دیتا ہیں دریا کے لیے
شیروں کو
~~شیر کو اپنے~~
~~تم کو ہاتھوں سے~~

مصنف کے مصرع ۳ میں (تری) سے خطاب ہے ۔ ۳ میں (تمہارے سے) خطاب ہی شاعر اعظم نے کیوں رہنے دیا یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جائز سمجھتے تھے مصرع ۵

[۱] لفظ شمشیر و شمشیر بیائے معروف و مجہول دونوں طرح صحیح ہے مگر کثرت استعمال بیائے معروف ہے۔ اس لیے بیائے مجہول میں کان کھٹکتے ہیں۔

کے پہلے جزو میں اصلاح فرمائی (خیر جنگل ہی بہت) کا اضافہ نایاب اضافہ ہے۔ حضرت عباسؑ کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لیے جنگل کے رہنے پر رضامندی۔ موقع کے لحاظ سے بہترین چیز ہے۔

چھٹے مصرع میں مصنف نے (خیمہ کو) استعمال کیا تھا بڑے میر صاحب نے (خیموں کو) بنایا لہذا خیال پیدا ہوا کہ بات صرف جناب عباسؑ سے فرما رہے ہیں جمع کی صورت میں مناسب نہیں۔ اس کے نیچے خود بنایا (شبیر کو اپنے) پھر خیال آیا کہ نہیں یہ ٹکڑا مناسب نہیں۔ تنہا شبیر کا صرف اچھا نہیں اسے کاٹ دیا اس کے نیچے خود بنایا (تم کو ہاتھوں سے) اسے بھی کاٹ دیا۔ اس لیے کہ سب ٹکڑوں سے سُست ٹکڑا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ پہلی اصلاح (شیعوں کو) کیوں رہنے دی صرف اس لیے کہ یہ اصلاح اس چیز کو ظاہر کر رہی ہے۔ کہ اگر جناب عباسؑ سے ترائی پر ہلہ ارچل جاتی تو جس قدر بچے با ہم تھے سب لڑ پڑتے نتیجہ میں یہ خوف تھا کہ متعدد نفوس محترم ہلاک ہو جاتے۔ اس لیے (اپنے شیعوں کو) رہنے دیا۔

(۱۴۵) اتنا کہنے پہ لعینوں کو یہ غصہ تھا عجب
جان دینے پہ مہیا ہوئے اے عاشق رب
تب[1] کہاں ہوگے تم اے دلبر سلطان عرب
زیر شمشیر مرا خشک گلا ہوگا جب!
کون بھائی کے بچانے کو بڑھے گا بھائی
شمر جس دم مری چھاتی پہ چڑھے گا بھائی

(۱۴۶) رہ گئے عباسؑ علمدار بھی سن کر یہ کلام
بھائی کو لے کے ترائی سے چلے شاہ انام

---

[1] آج اردو میں تب کا لفظ اس محل پر فصحا نہیں استعمال کرتے۔

بیچ میں آپ تھے اور گرد تھے انصار تمام   غیظ سے سرخ تھا عباس کا روئے گلفام
تھا زبس پاس ادب بول نہ کچھ سکتے تھے
شیر سے فوج کو پھیر پھیر کے مگر تکتے تھے

بند ۱۴۵ اور بند ۱۴۶ بند میں کوئی اصلاح نہیں دی۔ بند ۱۴۷ کے پانچویں مصرع پر غالباً توجہ نہیں فرمائی ورنہ یہ تعقیب خفیف جو رہ گئی۔ نہ رہتی معاذ اللہ اعتراض نہیں ہے۔ ایسی تعقیدیں بڑے بڑے اساتذہ کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت انیس کی نفیس طبیعت باقی نہ رکھتی۔

(۱۴۷) محملوں میں حرم پاک ادھر تھے جو اداس   کہا فضہ نے یہ زینب سے کہ آئے عباس
لائے بھائی کو ترائی سے شہ تنگ اساس   دختر فاطمہ بولی کہ بلا لے مرے پاس
غم سے بیتاب بہن ہے ادھر آئیں جلدی
اپنی چھاتی سے سکینہ کو لگائیں جلدی

بند بے نظیر و انتخاب ہے لہٰذا اصلاح نہیں فرمائی نہ ضرورت تھی۔

(۱۴۸) ہاتھ عباس کا تھامے قریب آئے شہ دیں   کہا زینب نے کہ قربان یہ مغموم و حزیں
خیر تو سب کی ہے اے فاطمہ کے ماہ جبیں   ~~صدقے تھا بس یہ دریا کے کنارے کی زمیں~~
میں نہ کہتی تھی کہ ہے مایۂ شریاں کی زمیں
تم نہ آتے تو یہ آوارۂ وطن مر جاتی
آج بھائی یہ جو آتی تو بہن مر جاتی

بند کے چوتھے مصرع کو بدل دیا۔ تمام اصلاحوں میں صرف ایک یہ اصلاح ایسی

ہے جہاں حضرت انیس نے زبان کا بڑے سے بڑا لفظ رکھا یعنی (مایہ) لیکن پھر بھی لفظ ایسا رکھا جو سرمایۂ زبان اردو کے جانے کا مستحق ہے۔ چھٹے مصرع میں ترمیم فرمائی اس لیے کہ مصنف نے (مرے بھائی) نظم فرمایا تھا جس کے ساتھ بہن مر جاتی) کا ٹکڑا نامناسب سا تھا۔ اگر یوں ہوتا کہ (کچھ بھائی کو ہوتا تو بہن مر جاتی) یعنی اگر موزونیت کے ساتھ یوں ہوتا تو کبھی اصلاح نہ فرماتے۔ اسی وجہ سے (آنچ بھائی پہ جو آتی) بنا دیا اب تکمیل مصرع ہو گئی۔

(۱۳۹) کیوں گئے نہر پہ صحرا سے تم اے نیک نہاد ~~اس ترائی کو لگے آگ~~ جہاں ہو یہ فساد
ایسے پانی
~~وہ یہ کہتی تھی سکینہ نے مجھے غم تھا زیاد~~ ~~آگئے پاس وہ~~ چچا تم نے بھلا دی مری یاد
ہاتھ پھیلا کے پکاری یہ سکینہ ناشاد لے لو گودی میں مجھے
بنتی تھی روح پہ سر پیٹ کے چلاتی تھی
اپنے خیمہ میں یہ غل سن کے ہوئی جاتی تھی

نمبر ۲ مصرع کے پہلے جز کو بدل دیا۔ بڑے میر صاحب نے (پانی) کا لفظ رکھ کے مصرع کی آب کو دوبالا کر دیا۔ کیوں نہ ہو۔ یہی وہ ہستی ہے جس نے مردہ دلان قوم کی روح کے لیے اپنی بحر مواج طبیعت سے زندگی کا سرمایہ جمع کر دیا ہے۔ آج دنیا اس خضر راہ کے نقش قدم پہ چلنے کو اپنا فخر سمجھتی ہے۔

نمبر ۳ مصرع اس لیے بدلا کہ ایک معصوم بچی کی زبان سے ایسا لفظ استعمال ہوا تھا جو سماعت پہ بار ہو رہا تھا یعنی قافیہ (زیاد) اُسے یوں بدل لا دیا (ہاتھ پھیلا کے پکاری یہ سکینہ ناشاد)

نمبر ۴ مصرع کی ترکیب یا شان تھی یعنی (آگے یاں واہ چیا) اسے یوں بنایا (لے لگو دی ہیں مجھے) اب براقی آگئی۔ بات ہی دوسری ہوگئی۔ بیت میں کوئی عیب تو نہیں ہے مگر مصرع درست ہو جانے کے بعد چاروں مصرعوں سے تھوڑی کمزوری ہو سارے اہل نظر خوب سمجھ سکیں گے۔

(۱۵۰) آ چکے نہر سے جب جا کے رسائے غز تزویز نقا جلتی رہتی یہ ہوا خیمۂ شبیرؑ بپا
کھنچ چکیں جبکہ قناتیں تو یہ اکبرؑ نے کہا لاؤ دروازے پہ جنازۂ بنت زہراؑ

کہیں جھک جائے نہ تنقہ کوئی ہشیار رہے
حرم پاک اترتے ہیں خبردار رہے

بند بہت صاف اور بے مثل ونایاب ہے۔ مصرع براق ہیا۔

(۱۵۱) تلے جھلائے جو خدام گئے سب باہر ~~اُترے کس شان سے ناموس شہ جن و بشر~~
رونق افزا ہوئے

جب اُترنے لگی ہودج سے علیؑ کی دختر اس طرف اکبرؑ ذیجاہ تھے عباسؑ اُدھر
قاسمؑ و عونؑ تو پردے کا سرا تھامے تھے
دست ہمشیر امامؑ دو پسر تھامے تھے

نمبر ۲ مصرع کے جزو اوّل میں ترمیم فرمائی۔ رونق افزا کا لکھنا لاجواب رکھ دیا۔ چونکہ ناموس کے شان سے اُترنے کا پہلے کوئی ذکر نہ تھا اس لیے صرف رونق افزا کہہ دیا یعنی چونکہ جناب زینبؑ آخرہ مصرعوں میں تھان و شوکت سے آ رہی تھیں اس لیے

ے دور انیس کے بعض اساتذہ جب کو کے معنی پر صرف اپنے استعمال کرتے تھے۔

یہاں یہی کافی سمجھا کہ رونق افزا ہوئے۔ یعنی احترام سے تو اتارے گئے ہوں گے۔ اب یہ منزل ہی کہ ناموس اُتر کے خیموں میں بیٹھ گئے ہیں اس کے بعد حضرت زینب کے نزول اجلال کی تصویر کشی فرمائی ہے اور بہت خوب مرقع کھینچا ہے۔ سبحان اللہ کیا کہنا۔

(۱۵۲) ایک دن ان کے لیے تھا یہ تجمل یہ حشم　　ایک دن وہ تھا کہ چادر بھی نہ تھی اہل حرم
آگے آگے سر شبیر تھا نیزے پہ علم　　پیچھے سر ننگے تھی اک اونٹ پہ وہ کشتۂ غم
ہاتھ بھی تھے نہ کھلے پیٹنے جانے کے لیے
ایک رومال نہ تھا مونھ کے چھپانے کے لیے

کہیں اصلاح نہیں فرمائی۔ بند مرقع ہے۔ ایسے ربط کے بند جو مجلس کو رُلا دیں اکثر و بیشتر اساتذہ درمیان میں لے آتے تھے۔

(۱۵۳) داخل خیمہ ہوئی جب کہ علیؑ کی دختر　　آئے ہمراہ لیے سب کو شہ جن و بشر
کھولی فرزند پیمبرؐ کے عزیزوں نے کمر　　~~تھا جو مغموم~~ دل زینبؑ تفتیدہ جگر
متردد تھی زبس
دیکھ کر شہ کو وہ آوارۂ وطن رونے لگی
بھائی کے سینے پہ منھ رکھ کے بہن رونے لگی

مصرع مصنف بھی اچھا تھا اور اصلاح بھی بہترین ہے اگر مصرع مصنف ہی رہتا جب بھی قباحت نہ تھی۔ یہ اصلاح رسمی اصلاح کہلاتی ہے۔

(۱۵۴) شہ نے فرمایا بہ شفقت کہ نہ روؤ ہمشیر　　جلوہ گر پھر ہوئے مسند پہ جناب شبیر
صبح سے فصل میں گرمی کی جو پیاسے تھے صغیر　　متوجہ ہوئے بھائی سے امام دلگیر

چھاگلوں میں جو تھا ہمراہ وہ آیا پانی
سب کو سقائے سکینہ نے پلایا پانی

یہ بند بالکل بے اصلاح ہے۔ موقع کے لحاظ سے بے مثال بند ہے

پانچویں تک تو ملا بے وطنوں کو آرام | ہو ا پانی بھی بہم اور ہوئی تدبیر طعام (۱۵۵)
تھا چھٹا روز کہ آپہونچے مصیبت کے پیام | گھر گئے فوج کے نرغے میں شہنشاہ امام
آنے لگے آفت

ہو اوہ دن جو لب باب اماں بند ہوا
ساتویں شب تھی کہ بس آب زلال بند ہوا

تیسرے مصرع میں بہترین ترمیم فرمائی۔ مصنف نے کہا تھا کہ (آپہونچے) یہ کسی قدر واقعہ کے خلاف تھا اس لیے کہ تدریجی حیثیت سے فوج آئی اور تدریجی حیثیت سے مصائب کا اضافہ ہوا۔ آپہونچے سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ بیک وقت سب پیام مصیبت آگئے۔ صرف زمانے کا فرق کر کے شاعر اعظم نے جان ڈال دی پہلے موجودہ زمانہ تھا۔ یعنی آپہونچے بڑے میر صاحب نے (آنے لگے) بنا کے واقعے کی صحیح اور سچی تصویر کھینچ دی۔ یعنی موجودہ زمانے کو مستقبل کر دیا۔ اب مصرع کی بات ہی اور ہو گئی۔

آٹھویں آئی کہ پیغام اجل آنے لگے | پھول باغ اسد اللہ کے مرجھانے لگے (۱۵۶)
پیاس کا رنج و الم غنچہ دہن کھانے لگے | نالۂ اہل حرم تا بہ فلک جانے لگے[1]

---

[1] بعض اساتذہ لکھنؤ اتنے محتاط تھے کہ تا بہ فلک نظم نہیں کرتے تھے اور استدلال یہ پیش کرتے تھے کہ تا فلک صحیح ہے یا بہ فلک صحیح ہے۔ تا بہ فلک میں یا (تا) زائد یا (بہ) زائد ہے۔

نکلی کچھ صلح کی صورت نہ صفائی ٹھہری
~~تھا نواں روز کہ اعدا سے لڑائی ٹھہری~~
دہم ماہ محرم کو

خدا معلوم جناب مصنف نے نواں روز کس حساب سے قرار دیا ہو۔ اس محل پر اصلاح کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ اتنی عمدہ اصلاح دی کہ بایدو شاید۔ یعنی (دہم ماہ محرم کو) اب حساب کتاب کا سوال ہی اٹھ گیا۔ بات واقعہ کے مطابق بھی ہوگئی۔ مصنف نے سید الشہدا کے ورود کی دوسری تاریخ سے حساب لگاکے ویں کو نواں روز قرار دیا تھا۔ اپنی جگہ وہ بھی صحیح ہو۔ لیکن اصلاح کی نزاکت ہی اور ہو۔

(۱۵۷) رن میں جس دم شب عاشور محرم آئی — لوٹنی خانۂ زہرا سے یہ غم آئی
~~آیت~~ فرقت سلطان دو عالم آئی — کھول کر ~~موئے پریشاں~~ شب ماتم آئی
خبر — گیسوئے مشکیں

شاہ کو ذبح کی تکلیف نہ بس سہنی تھی!
شب نے بھی شام سے پوشاک عزا پہنی تھی

گو مصنف نے لفظ مطلع اس بند پر نہیں لکھا لیکن شان مطلع ہی کی ہو۔ اسے مطلع قرار دیا جا سکتا ہو۔ سب خصوصیات مطلع اس بند میں جمع ہیں۔ تیسرے مصرع میں (آیت) کو کاٹ کے (خبر) کا لفظ بنایا۔ آیت کا لفظ کوئی خاص معنی اور خاص بات نہیں رکھتا تھا کتنا مناسب اور پیارا لفظ خبر بنا دیا۔ چوتھے مصرع میں (کھول کر موئے پریشاں) تھا غالباً موئے پریشاں کو کھول کر یہ صورت ناپسند ہوئی یعنی

جب موئے پریشاں ہیں تو کھول کر کیا معنی۔ لہٰذا (گیسوئے مشکیں) بنا دیا۔ چونکہ شب کا ذکر ہے۔ گیسو کا لفظ مناسب ہے اور پھر صفت اس کی مشکیں ہے۔ اب کھول کر کا لفظ بالکل مہمل ہو گیا

چھٹا مصرع مصنف لاجواب مصرع ہے۔ ایک ادبی نزاکت بھی بیان فرمادی یعنی شب نے شام سے پوشاکِ عزا پہن لی تھی۔

شام اُس حصہ کو کہتے ہیں۔ جو بعد غروب آفتاب شروع ہوتا ہے اور اُتنی دیر تک باقی رہتا ہے کہ جب تک کافی تاریکی عالم پر نہ چھا جائے بس وہاں سے شب کا دور دورہ شروع ہوتا ہے۔ اور اُس تاریک رات کو شب کہتے ہیں۔ اسی کو مصنف نے فرمایا ہے کہ حسینؑ کے غم میں شب عاشور نے شام ہی سے پوشاکِ عزا پہن لی تھی یعنی مغرب کے وقت ہی سے تاریکی چھا گئی تھی۔ بہت لطیف مصرع نظم فرمایا ہے مصنف کی بہت ہی قابل توجہ یہ چیز ہے کہ تکلیف سہنی تھی اور پوشاک پہنی تھی نظم فرمایا ہے قدما کا یہی طریقہ تھا اور اب تک صاحبان احتیاط ایسا ہی کرتے ہیں۔ تکلیف سہنا پوشاک پہنا غیر فصیح سمجھتے ہیں۔ موجودہ دور میں غیر محتاط اس کا خیال نہیں رکھتے۔ یہ کہہ کے نظم کرتے ہیں کہ دور آزادی ہے۔ ورنہ اصولاً اسی طرح نظم کرنا چاہیے یعنی بات کہنی ہے۔ تنخواہ لینی ہے۔ جواب دینا ہے۔ گزارہ لینا ہے۔

(تحقیق)

مطلع میں ردیف ہونا ضروری ہے۔ یہ قید صرف مرثیے کے لیے ہے۔ غزل و قصیدہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ ان میں بغیر ردیف بھی یعنی صرف قافیہ کے ساتھ مطلع نظم کیا جاتا ہے

ردیف کسے کہتے ہیں۔ ردیف اس جز کا نام ہے۔ جو قافیہ کے بعد ہوتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک مستقل یعنی متفق اللفظ و معنی ہو جیسے

کیا خبر تھی انقلاب آسماں ہو جائے گا
یار کا ملنا نصیب دشمناں ہو جائے گا

آسماں۔ دشمناں۔ قافیہ۔ ہو جائے گا۔ ردیف۔ یہ ردیف متفق اللفظ و معنی ہے دونوں مصرعوں میں ایک صورت کی ردیف ہے دوسرے غیر مستقل۔ یعنی بطور معمول ردیف قرار دی جائے۔ معمول اُسے کہتے ہیں کہ مطلع میں ایک قافیہ واحد ہو اور ایک قافیہ ترکیب سے حاصل ہو دچہار شربت) میں مرزا قتیل کا خیال ہے کہ معمول میں قافیہ کی بنا تلفظ پر ہوتی ہے کو اس خیال سے حروف کی کمی و زیادتی بہ لحاظ کتابت اعتبار کے قابل نہیں۔ اور انھیں مرزا قتیل نے دریائے لطافت میں لکھا ہے کہ گو آج کل کے اساتذہ معمول[1] کو صنائع میں شمار کرتے ہیں لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ یہ عیوب قافیہ میں سے ایک عیب ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک ترکیبی دوسری تحلیلی۔ ترکیبی وہ ہے کہ قافیہ دو کلموں سے مرکب ہو۔

حضرت دبیر صادق مثال شمس و قمر کی نہ آئے نہ
کیا تاب مونھ تو دیکھو جو برو ہو آئینہ

پہلے مصرع میں قافیہ ترکیب سے حاصل ہوا۔ دوسرے مصرع میں لفظ واحد ہے یعنی آئینہ۔

پاؤں آخر کو مرا اور تری پیشانی ہے
جو میں کہتا ہوں وہ اک دن ترے پیش آنی ہے

[1] موجودہ دور میں اگر صنائع میں شمار نہیں کرتے تو معیوب بھی نہیں سمجھتے برابر اساتذہ کو استعمال کرتے دیکھا مگر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا احتیاط اسی میں ہے کہ احتیاط کی جائے۔

پہلے مصرع میں لفظ واحد ہے۔ اور دوسرے میں ترکیب کے ساتھ قافیہ ردیف لائے گئے۔ تحلیلی وہ ہے کہ لفظ کے اجزا علیحدہ کرنے سے قافیہ قرار پائے یعنی لفظ کے ایک جز کو قافیہ قرار دیں اور ایک جز کو ردیف قرار دیں۔ جیسے

وے دوپٹہ تو اپنا ململ کا
ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا
(ناسخ)

دوسرے مصرع میں (ہلکا) مقابل میں (ململ کا) کے ہے (ہل) قافیہ قرار دیا ہے اور (کا) ردیف۔ درانحالیکہ لفظ مستقل ہے ذیل کے اشعار بھی اسی کی مثال ہیں۔

رفتار کے چلن سے غضب دل لبھا لیے
چھوٹے سے سن میں یار بڑے تم ہو چالیے
(امانت)

میں نے جو رکھا پاؤں پہ سر کو
بولے وہ ناز سے کہ بس سر کو
(امیر حسین تسکین)

ایسی صورت میں ایک صورت شعرا نے یہ بھی اختیار کی ہے کہ روی ایک جگہ ساکن ہو گی دوسری جگہ متحرک۔ جیسے حافظ کا مطلع ہے

صلاح کار کجا و من خراب کجا
ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

یہ حقیقتاً عیب ہے مگر چونکہ عیب سے آگاہ کر دیا ہے لہٰذا عیب عیب نہیں رہا۔ اکثر اساتذہ کسی عیب کو اگر نظم کرتے تھے تو مطلع کر دیتے تھے پھر وہ عیب عیب نہیں رہتا تھا مختصر یہ کہ مرثیے کے مطلع میں ردیف کا ہونا لازمی ہے۔ اسی وجہ سے منیر جب مرثیہ

شروع کرتے ہیں یعنی تو اس بند سے جس میں شان مطلع ہو اور ردیف قافیہ دونوں ہوں)

(۱۵۸) رات بھر قبلۂ کونین رہی محو نماز — گہ تضرع کبھی زاری تو کبھی سوز و گداز
تھی   راز و نیاز
تھی یہ سجدے میں دعا حق سے کہ اے بندہ نواز — تو وہ عالم ہے کہ پنہاں نہیں تجھ سے کوئی راز
غم نہیں کچھ مجھے گو دکھ میں گرفتار ہوں میں
سہل کی ذبح کی سختی تو سبک بار ہوں میں

مصرع ۲ میں اصلاح فرمائی۔ (تو) کاٹ کے (تھی) بنایا۔ سوز و گداز کا ٹکڑا تو وہ تھا بالکل ایک علیحدہ شے تھی۔ اتنا (تھی ٹکڑا) بڑھایا یعنی (راز و نیاز) کہ جس سے بہتر عالم کی کوئی فرد پڑھا نہیں سکتی نہ اس سے بہتر ٹکڑا دوسرا لا سکتی ہے یا ثانی مصرع صاف نہ ذبراق تجھے رہنے دیے۔

(۱۵۹) تیری خوشنودی ہو جس میں صبر ہے وہ مجھ کو وہ جبر — زخم کھاؤں جو ہزاروں تو نہ ہو رنج یہ جبر
مجھ کو پروا نہ ہو رہ جائیں جو حرم صورت ابر — تن مجروح ہو پامال میسر نہ ہو قبر
غم ہو بھائی کا نہ بیٹا کوئی پیارا ہو مجھے
جو تری راہ میں ایذا ہو گوارا ہو مجھے

بند بہت نفیس تھا کہیں اصلاح نہیں دی خوشنودی کی یا گر گئی کیوں نہ بنایا۔ اس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

(۱۶۰) زخمی ہو دلبر تشنہ تو نہ ہو مجھ کو خیال — دل پہ عباس کی فرقت کا بھی آئے نہ خیال
چھٹ بچے خاک پہ دم توڑیں تو ہو غیر نہ حال — مسکرا اٹھوں علی اصغر ہو اگر خون میں لال

~~دل ہو ٹکڑے کہ جگر چشم کو پُر نم نہ کروں~~
دل پہ نیزہ جو لگے
علی اکبر کے جواں مرنے کا ماتم نہ کروں

صرف چھٹے مصرع کے خیال سے چونکہ جناب علی اکبر کا تذکرہ تھا۔ پانچویں مصرع میں اصلاح فرمائی یعنی (دل پہ نیزہ جو لگے) جو انتہائی ضروری تھی۔ پہلے مصرع میں زخمی کی دریا گرگئی۔ مشہور ہے کہ تاریخ نے بھی زخمی کی یاگرائی ہے۔

(۱۶۱) اختتام حرم سید والا نہ رہے — سر پہ رانڈوں کے ید اللہ کا پیارا نہ رہے
گھر میں زہرا کے اندھیرا ہو اُجالا نہ رہے — آلِ احمد کا کوئی پوچھنے والا نہ رہے
کچھ سکینہ کی اسیری کا تاسف نہ کروں
~~طوق عابد کے گلے میں ہو تو میں اُف نہ کروں~~
آگ خیمے میں لگا دیں تو کبھی

چھٹے مصرع میں اصلاح فرمائی۔ اصلاح بھی بہترین۔ اور مصرع مصنف بھی برمحل ہے اصلاح میں صرف اس خوبی کا اضافہ ہو گیا کہ (اُف) قافیہ تھا۔ آگ لگنے سے اور (اُف) سے خاص تعلق ہے اور مطابق واقعہ بھی ہے۔ یہی اُستادی ہے

عید ہو خلق پہ گر ظلم کی شمشیر چلے
~~نہ جلال آئے اگر آگ سے خیمہ نہ جلے~~ — بے پدر ہوں ترے شبیر کے نازوں کے پلے
سر سے بانو کے ردا لے کے مصیبت نہ ٹلے — گھر لٹے رسیوں میں ہوں حرم کے بچوں کے گلے
قید میں حیدر کرار کی جائی ہو گئے

مگر اُمت کی جہنم سے رہائی ہوئے

جناب مُصنّف نے پہلا مصرع خود کاٹ کے بنایا ہے۔ یہ اصلاح بڑے میر صاحب کی نہیں ہے۔

(۱۶۳) اس طرف محو مناجات تھے سلطان زمن اس طرف صحن میں روتی تھی ستم دیں کی بہن
ہاتھ تھے سوئے فلک اور یہ تھا لب پہ سخن رحم کر رحم یہ بیکس ہے یہ آوارہ وطن
پہلے تو خلق سے زینبؑ کو اٹھا لے یارب
بھائی کو ذبح کی ایذا سے بچا لے یارب

(۱۶۴) ناگہاں صبح شب قتل نمودار ہوئی نور پھیلا تو زمیں مطلع انوار ہوئی
~~چرخ پہ بھی صبحت ~~ آشکارا ہوئی غم سے ہر ذرہ میں ہر اک چشم گہربار ہوئی
آمد مہر مبیں چرخ پہ یکبار ہوئی
فرقت شاہ کی ایذا نہ کسی دل سے اٹھی
شمع بھی اشک بہاتی ہوئی محفل سے اٹھی

مصنّف کے مصرع ۳ کے بعد اس اصلاح کی ضرورت تھی جو مصرع ۳ میں فرمائی ہے۔ یعنی (آمد مہر مبیں چرخ پہ یک بار) اب مصرع دست و گریبان ہو گئے۔

(۱۶۵) شاہ دیں پڑھ کے نماز سحری گھر میں گئے اشک ریزاں حرم حیدر صفدر میں گئے
تو یہ ہتھیار سجے خیمۂ اطہر میں گئے سب ملنے کے لیے آل پیمبر میں گئے
یاس سے بی بیوں نے شاہ زمن کو دیکھا
شہ نے حسرت کی نگاہوں سے بہن کو دیکھا

رو کے فرمایا خدا حافظ و ناصر زینبؑ سحرِ فرقت بیکس ہوئی آخر زینبؑ (۱۶۶)
مرنے جاتا ہے یہ مظلوم مسافر زینبؑ تم سے قسمت نے چھڑایا ہمیں آخر زینبؑ
حفظ حق میں حرم شاہِ ہدا کو سونپا
سب کو سونپا تمہیں اور تم کو خدا کو سونپا

آؤ رو لیویں گلے مل کے جدائی ہے قریب پھر ملاقات کی مہلت نہیں ہونے کی نصیب (۱۶۷)
رنگ نیرنگیٔ عالم نے دکھایا ہے عجیب سیکڑوں دشمنِ جاں ایک یہ مظلوم غریب
آج فرمایۂ کناں قبر میں حیدرؑ ہونگے
عصر کے وقت بہن ہم تہِ خنجر ہونگے

سب سے رخصت ہوئے یہ کہہ کے امامِ عالم عقبِ شاہ چلے پیٹتے سب اہلِ حرم (۱۶۸)
درِ دولت سے برآمد ہوئے سلطانِ امم پئے تعلیم عزیز و رفقا ہو گئے خم
چڑھ کے رہوار پہ جب سیدِ ابرار بڑھے
علمِ فوجِ خدا لے کے علمدار بڑھے!

اس تجمل سے ہوئے واردِ میداں شہِ دیں ذرے چہروں سے کے روشن ہوئی مقتل کی زمیں (۱۶۹)
تول کر نیزہ و شمشیر بڑھا لشکرِ کیں قتل ہونے لگے انصارِ شہِ عرش نشیں
تھا جو اک ایک جری عاشق و شیدائے حسینؑ
جو گرا گھوڑے سے لاش اس کی اٹھا لائے حسینؑ

پھر عزیزوں کے لیے آئے اجل کے پیغام تر ہوئے خون میں سب باغِ علیؑ کے گلفام (۱۷۰)
روئے اکبرؑ کے بھی لاشے پہ شہنشاہِ انام [illegible] سب لشکرِ شبیرؑ تمام

پھر تو غمخوار کوئی جز الم و یاس نہ تھا
ظہر کا وقت جب آیا تو کوئی پاس نہ تھا

(۱۷۱) وہ مصیبت وہ قلق اور وہ دکھ درد و غم — اک دل زار و نحیف اور بہتر کے الم
وہ کڑی دھوپ وہ پیاس اور وہ اعدا کے ستم — علی اکبر نہ علمدار نہ لشکر نہ علم
خون دل آنکھوں سے اس غم میں نہ کیونکر بہہ جائے
اس سے پوچھو جو ستمگاروں میں تنہا رہ جائے

بند ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱ ان سات بندوں میں کہیں اصلاح نہیں فرمائی۔ بند ۱۶۵ میں جناب سید الشہدا نماز پڑھ کے محل میں تشریف لے گئے ہیں اور تن پہ ہتھیار سجے استعمال فرمایا ہے۔ سج کے نہیں بلکہ پہلے سج چکے تھے جب ارادہ فرمایا۔ گو اس کا ذکر کہ ہتھیار سج چکے تھے قبل میں نہیں آیا پھر بھی ایک طریقۂ اساتذہ یہ بھی ہے۔ بی بیاں حسرت سے دیکھنے لگیں حسین رو کے ان سے رخصت ہونے لگے یہ بند یعنی ۱۶۶ قیامت کا بند ہے۔ بند ۱۶۷ کے پہلے مصرع میں (آکے رو لیویں) نظم فرمایا ہے۔ بعض اساتذۂ لکھنؤ اس محل پر (آؤ رو لیں) بولتے تھے اور بولتے ہیں موجودہ دور میں (رو لیویں) متروک ہے۔

جناب سید الشہدا نے اس بند میں فنائے دنیا پر تبصرہ فرمایا ہے بند ۱۶۸ میں حسین یہ کہہ کے سب سے رخصت ہوئے ہیں اہل حرم نوحہ کناں پیچھے پیچھے آئیں۔ اس محل پر یوں فرمایا ہے (عقب شاہ چلے پیٹتے سب اہل حرم) اس دور کے بعض اساتذہ ایسی بندشیں ایسی ترکیبیں استعمال نہیں کرتے تھے مصرع سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ

کہ معاذ اللہ حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کرتے چلے - پھر بھی کوئی عیب نہیں مصرع استاد صحیح ہے۔

حسینؑ در دولت سے برآمد ہوئے ہیں عزیز و رفقائے تسلیم خم ہو گئے ہیں۔
حسینؑ نے رہوار پر چڑھ کے گھوڑا اڑھایا ہے - حضرت عباس علیہ السلام علم فوج خدا لے کے ساتھ چلے ہیں۔

امام حسینؑ اس کروفر سے میدان میں تشریف لے گئے ہیں مصرع ۲ میں (دھیرے) کے بجائے (دھیروں) فرمایا ہے یعنی حسینؑ اور انصار حسینؑ کے نور سے مقتل کی زمین روشن ہو گئی۔ لشکر کے بڑھنے کا قبل میں ذکر نہیں ہے - اور جمع کا استعمال ہے یہ بھی طریقہ اساتذہ ہے - یہ کوئی معیوب نہیں ہے - اس کے بعد انصار قتل ہونے لگے حسینؑ انصار کی لاشیں لاتے رہے۔

بند نمبر ۱۲ میں عزیزوں کی باری آئی ہے تمام اعزا کا دوپہر میں خاتمہ ہو گیا۔
آخر میں حسینؑ تنہا رہ گئے ہیں اس کے بعد بند ۱۶ میں حسینؑ کی آخر وقت کی حالت کا ذکر فرمایا ہے - سب بند لاجواب تھے اس لیے اصلاح کی ضرورت نہیں ہوئی۔

(۱۷) مل کے ناموس محمدؐ سے دوبارہ شہ دیں — آئے تو لے ہوئے شمشیر سوئے لشکر کیں
خشمگیں ~~برسر اعدا تو غضبناک بنیں~~ — کیا نعرہ تو لرزنے لگی مقتل کی زمیں
مثل علیؑ تیغ بکف — اک — میں

بہر امداد ملک حق کی طرف سے آئے
سب نے جانا کہ ید اللہ بکف سے آئے

اس بند میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔ ایک بڑے واقعہ کو چند لفظوں میں بیان فرما دیا گیا کہنا ایجاز حقیقی اسی کا نام ہے حسینؑ کی آمد کی بے نظیر تصویر کشی فرمائی ہے یہ عالم تھا کہ آپ غیظ میں تلوار تولے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے ہے مصرع میں خشمگیں (رُخ سے عیاں قہر و غضب) کاٹ کے (رشکِ علیؑ تیغ بکف) بنا دیا۔ سوال یہ ہے کہ جب شمشیر تولے ہوئے میدان میں تشریف لائے تو تیغ بکف ضرور تھے۔ پھر تیغ بکف کا ٹکڑا کیوں بڑھایا جواب یہ ہے مصرع کی حسنِ برافی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے استاد اصلاح دیتا ہے۔ مصرع کو جاندار بنا دیتا ہے اور روانی میں آگے بڑھ جاتا ہے حرف نظر نہیں فرمائی۔ اور اگر ایک قسم کی تکرار مبہم ہے بھی تو یہ عیب نہیں ہے مگر مصرع میں ذرا سی ترمیم کی مگر کیا زور بھر دیا۔

مصنف کا چھٹا مصرع پانچویں مصرع سے کچھ الگ سا تھا اصلاح دے کے بنا دیا کہ دیکھو مصرع یوں لگتا ہے۔ کیا کہنا۔

(۱۷۳) وہ جلال اور وہ رعبِ رُخِ سلطانِ اُمم — خوف سے ہٹنے لگے لشکرِ اعدا کے قدم
دبدبہ دیکھ کے جھک جھک گئے ہر صف میں علَم — ہے یہ اقبال کہ معنی کہ فشاں ہو گئے خم
تیغ ابرو سے گری برقِ ستمگر دل پر
چل گئے وار مروّت کے جفا کار دل پر

اس بند میں کہیں اصلاح نہیں دی ہر ہر لفظ اپنی جگہ پر نگینہ ہے۔

(۱۷۴) واں سے دریا کی طرف لشکرِ سفاک بڑھا — یاں سے بھی لختِ دلِ صاحبِ لولاک بڑھا
قلزمِ معرکۂ رزم کا پیر اک بڑھا — مختصر یہ کہ بڑھ کے رجزِ غضبناک بڑھا

نقرے بے مثل تھے جو بیت تھی لاثانی تھی
ہمہمہ شیر کا تھا یا کہ رجز خوانی تھی

لہ مصرع میں کس حسن سے (بھی) کا لفظ نکالا گیا اور دل کو جگر کر کے مصرع براق کر دیا۔

پانچویں مصرع میں (قافیہ چست) بنایا مصرع چست کر دیا یہ بھی بتا دیا کہ جہاں بند بیت مصرع چست ہوتا ہے فقرہ چست ہوتا ہے۔ قافیہ بھی چست ہوتا ہے۔

کھینچ کر تیغ جو آئے صف اول کی طرف　　کوند کر برق گری شام کے بادل کی طرف (۱۷۵)
آتش تیز بھڑکنے لگی جنگل کی طرف　　گرم بازار ہوا موت کا مقتل کی طرف
فوج کو شعلۂ شمشیر دو سر نے کھینچا
تیغ جانسوز نے چھوڑا تو سقر نے کھینچا

راس و چپ حشر بپا ہو گیا سر اڑنے لگے　　ہاتھ مونھ کٹنے لگے تیروں کے پر اڑنے لگے (۱۷۶)
پرزے ڈھالوں کے ادھر اور ادھر اڑنے لگے　　قطرۂ خون عدو مثل شرر اڑنے لگے
تن جلے تیغ دو پیکر[1] کی جدھر آگ گئی
اس کے شعلے جو بڑھے چھپ کے ہوا بھاگ گئی

جسم سے روح ہوا ہو گئی جب تن سے چلی　　برق وش تیغ کسی کی صف دشمن سے چلی (۱۷۷)
کاٹ کر صدر و کمر بکتر و جوشن سے چلی　　اس سرے تک گئی جھنکار جدھر زن سے چلی
چرخ ہلتا تھا زمیں خوف سے تھرائی تھی
مونھ سے ہر ضرب میں آواز بزن آتی تھی

لہ بعض اساتذۂ عہد انیس کو تیغ دو پیکر میں کلام تھا اور ان کا خیال یہ تھا کہ چونکہ کلام اہل فرس میں موجود نہیں لہٰذا ترکیب غلط ہے۔ دیگر اساتذۂ لکھنؤ نے کثرت سے استعمال کیا ہے۔

(۱۷۸) دھوم تھی ساری زمیں پر تہ افلاک اس کی — جس کا تن اس نے جلایا نہ ملی خاک اس کی
وہ چمک اور وہ ہر اک تاب غضب ناک اس کی — گر کے جس سمت اٹھی بیٹھ گئی دھاک اس کی

صاف نہ ہو گیا اک ہاتھ لگایا جس پر
نیش عقرب تھا پڑا نوک کا سایا جس پر

مسلسل چار بندوں میں کہیں اصلاح نہیں فرمائی بہت صاف و آئینہ کمال بند ہیں۔

(۱۷۹) مونھ کے بھل گر پڑے جب ظلم شعاروں پہ گئی — ~~جا کے پیادوں پہ گئی~~ کبھی قطاروں پہ گئی
اُڑ گئے سر جو پیادوں

آئی بے خوف تو بیباک ہزاروں پہ گئی — پیدلوں کو جو گرایا تو سواروں پہ گئی

راکبوں کے جو سر اک ضرب میں کٹ جاتے ہیں
~~ان کا منھ دیکھ کے گھوڑوں سے الٹ جاتے ہیں~~
کیسے اسوار کہ گھوڑے بھی

مصرع اوّل میں مصنف نے (بھل) (ب د ل) کے ساتھ لکھا ہو بعض کا خیال ہو کہ یہ لفظ (بل) بہر حال ان کا لکھنا بھی حجّت ہو۔ انیسؔ کا اصلاح نہ دینا بھی دلیل حجّت۔ صحیح یہ بھی ہو۔

نمبر ۲ مصرع میں اصلاح فرمائی غالباً (وہ) کا لفظ زائد سمجھا گیا اس کی وجہ سے مصرع ذرا ڈھیلا تھا (اڑ گئے سر جو پیادوں کی) بناکے مصرع چست کر دیا۔ چھٹے مصرع میں اس لیے اصلاح دی کہ پانچویں مصرع میں سواروں کے سر ایک ضرب میں کٹ ہی جاتے تھے تو وہ منھ دیکھ کے گھوڑوں سے کیونکر الٹ جاتے تھے۔ اب اصلاح سے یہ مطلب صاف ہو گیا کہ راکبوں کے سر ایک ضرب سے کٹ جاتے تھے۔ اور

اسوار تو اسوار گھوڑے دہشت سے الٹ جاتے تھے۔ بیت لاجواب ہوگئی

ڈھنگ پچھلے سے بھی افزوں تھے سارے اس کے　　رن میں آگ لگاتے تھے شرارے اس کے (۱۸۰)
وہ چمک اور وہ لاشوں پہ نظارے اس کے　　وہ قیامت کی لگاوٹ وہ اشارے اس کے
دیکھ کر اس کی ادا ہونٹوں پہ دم آتے تھے
ذکر کیا زندوں کا مردے بھی تڑپ جاتے تھے

اس بند میں تغزل کے دریا بہا دیے گئے بہت لاجواب بند ہے۔

بڑھ کے جب تیغ شہنشاہ سرافراز گری　　خاک پر مر کے صف شعبدہ پرداز گری (۱۸۱)
سر گرے تن سے جو وہ تفرقہ انداز گری　　نہ چھٹا صید جدھر صورت شہباز گری
بھاگتا تھا کوئی آفت میں کوئی گرتا تھا
دام جو ہر پے صیاد اجل پھیرتا تھا

وہ چمک تیغ کی وہ شاہ کی شوکت وہ جلال　　تھا عیاں چہرۂ انور سے محمد کا جمال (۱۸۲)
وہ تہور وہ دلیری وہ شجاعت وہ جدال　　شیر سے آگے جدھر ہو گئی وہ صف پامال
جب وہ صفیں شام کے بادل میں تو گھیر کے نکلے
مہر طالع ہوا جیسے غولوں میں گھر کر نکلے

گردش ساعد پر نور نے ضو دکھلائی　　فرق پر تیغ نے اپنی تگ و دو دکھلائی (۱۸۳)
خم شمشیر نے شکل مہ نو دکھلائی　　جب اٹھی تیغ سر طور کی لو دکھلائی
اک اجالا ہوا خورشید فلک کے آگے
خاک میں مل گئی وہ دھوپ اس کی چمک کے آگے

قتل اشقی کسی موذی پہ جو چل کے آ گئی　　خاک پر مر کے گرا وہ جو سنبھل کے آ گئی (۱۸۴)

رنگ ہستی کا لعینوں کے بدل کے آئی لے کے دم پی کے لہو زہر اگل کے آئی
اُس کا منھ دیکھ کے ایک ایک سرک جاتا تھا
سر سے تا ناخن پا زہر جھٹک جاتا تھا

(۱۸۵) لشکرِ اہلِ ضلالت میں تلاطم تھا عجیب! کوئی ایسا تھا نہ ان میں جو نہ ہو زخم نصیب
ایک کو ایک کی صورت نظر آتی تھی مہیب تھا زبس خوف کہ جاتا تھا نہ یہ اس کے قریب
~~تھے جو مشہور جری رہ نہ اماں پاتے تھے~~
گوشۂ امن جو رن میں نہ کہیں
پسرِ سعد کے خیمے میں چھپے جاتے تھے

بند ۱۸۰ تا ۱۸۵ ان چھ بندوں میں کہیں اصلاح نہیں فرمائی۔ بند ۱۸۵ کے پانچویں مصرع میں خود مصنف نے ترمیم فرمائی ہو یہ اصلاح انیس رحمۃ اللہ کا نہیں ہے۔ مصنف رح اکثر و بیشتر بیتوں میں ایسے قافیہ ردیف لاتے تھے جو زمانہ گزشتہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ بند ۱۸۰ کی بیت میں (آتے تھے) (تڑپ جاتے تھے) بند ۱۸۱ کی بیت میں (ٹھہرتا تھا) (بھرتا تھا) بند ۱۸۴ کی بیت میں (سرک جاتا تھا) (جھٹک جاتا تھا) بند ۱۸۵ کی بیت میں (پاتے تھے) (جاتے تھے) مرثیے بھر میں تقریباً انیس مقام پر اس طرح کی بیتیں ہیں اور اسی طرح الف کے قافیہ کے ساتھ موجودہ زمانے میں بکثرت بیتیں فرمائی ہیں۔ مثلاً (پاتے ہیں) (جاتے ہیں) یہ ایک رنگِ طبیعت تھا جس کا تذکرہ کیا گیا

(۱۸۶) مونھ کے بَل گر تی تھی بھاگ میں پیادوں کی قطار ~~اے بھاگ گئے~~ بھاگو یہی ہر سو تھی پکار
بھاگو رن چھوڑ کے
ناپتے پھرتے تھے میدان میں کوتل[1] رہوار زین پر خون سے چھلکے ہوئے تھے مونھ کے اسوار

[1] کوتل: وہ گھوڑا جس پر سوار نہ ہو۔ یا بے سوار کا گھوڑا۔

جان کے ڈر سے نہ اس سمت نظر کرتے تھے
رُخ جدھر جنگ کا تھا پشت ادھر کرتے تھے

مُصنّف کا مصرع پڑھنے کے لیے بہت مناسب تھا لیکن شاعرِ اعظم نے اسے زوردار بنا دیا اب پڑھنے میں بہت شاندار ہو گیا۔

استعمال ہی (ڈانپنے) کا یہ لفظ اُس وقت بھی فصحا بہت کم استعمال کرتے تھے بعض استعمال ہی نہیں کرتے تھے خصوصیت سے نظم میں۔ بعض اساتذہ استعمال ہی نہیں کرتے تھے۔ یوں تو زبان کا خاص لغت ہے موجودہ دور میں پڑھے لکھے بہت کم بولتے ہیں۔ درحقیقت چونکہ گھوڑے کی ٹاپ ہوتی ہے۔ اس رعایت سے یہ لفظ یہاں استعمال کیا گیا۔

پانچویں مصرع میں (میں) کاٹ کے (سے) بنا دیا۔ کیا بات پیدا ہوئی اہلِ نظر لطف اٹھا سکتے ہیں۔

(۱۸۷) تیر بھی تیروں کی اٹھاتے تھے نشانوں کی جگہ — ~~ڈھالیں بھی جڑتے تھے تیر~~ کمانوں کی جگہ
رکھتے تھے تیروں کو ترکش میں

میان تیغوں کے سنبھالے تھے سنانوں کی جگہ — ~~تھے وہیں گھوڑے بھی باگوں~~ میں عنانوں کی جگہ
تیغ آتی تھی تو مونھ اپنا پھرا دیتے تھے یال کے بالوں کو کھینچے تھے
ہاتھ بغلوں میں تبرزیں کے چھپا دیتے تھے

مصنف کے دوسرے مصرع میں ڈھال میں تیر جوڑنا نظم ہوا تھا کچھ مناسب نہ معلوم ہوا بدل دیا۔ (رکھتے تھے تیروں کو ترکش میں) یہ اصلاح ضرور فرمائی مگر ترکیبِ مصرع سمجھ میں نہ آئی کہ تیروں کو ترکش میں کمانوں کی جگہ کیونکر رکھتے تھے اور کیا معنی ہیں یہ میرے فہم کا قصور ہے۔ اصلاح بہتر ہی ہے۔ ہمارا مصرع

میں دموں کا ہاتھ میں ہونا۔ عناصر شاعری کا اچھا عنصر نہ تھا۔ مرثیے کی شان سے دور تھا۔ لہذا یال کا لفظ صرف کرکے بڑے میر صاحب مرحوم نے منظوری فرمادی اور عنانوں کی جگہ بھی ثابت ہوگیا۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یال کے بال کہاں تک مناسب ہیں۔ یال خود ان بالوں کو کہتے ہیں جو گردن پہ ہوں۔ یال سے بال خود مراد ہوتے ہیں جواب یہ کہ حضرت انیس نے استعمال فرمایا ہے لہذا درست و مناسب ہے۔

(۱۸۸) ابر کی طرح سے چھایا تھا لعینوں پہ ہراس — رنگ چہروں کے تو کافور پراگندہ حواس
جان کے خوف سے بیٹے کو نہ تھا باپ کا پاس — اپنے بیگانے تھے آفت میں کہ تھی زیست سے یاس
ایک کو ایک نہ پاس اپنے جگہ دیتا تھا
نزع میں بھائی کی بھائی نہ خبر لیتا تھا

(۱۸۹) ۱ طرفہ ہنگامہ نیا حشر تھا وقت زد و کشت — ۲ اس کا سر اس کے قدم اس کا منھ اس شخص کی پشت
۳ ڈھال کی تھی نہ خمیدہ نہ سناں کی انگشت — ۴ بند تھے تیغوں کے دم کھل گئی تھی گرز کی مشت
ہاتھ سالم نہ تبر کا
تھا کسی توس کا بازو نہ کماندار کا مونھ
بوڑیاں نیزے کی تھیں اور نہ سوفار کا مونھ

بند ۱۸۸ میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی ہے ۱۸۹ میں خود مصنف نے چوتھے مصرع کا ایک ایک جز بدلا ہے۔

(۱۹۰) تھے اڑے طائر وحشی کی طرح فوج کے ہوش — نہ صدا تھی کہیں قرنا کی نہ شہنا کا خروش
اڑ گئے

عود مفقود تو نقارۂ جنگی روپوش　　جا بجا خوف دہل جیب تو جلاجل خاموش
برباد　　راہ دوزخ کی بیے فوج دغاساز کھلی
نہ مگر طبل کی بیٹھی ہوئی آواز کھلی

نے ۱ مصرع میں ترمیم فرمائی۔ ذرا سی تعقید تھی نکال دی ۔ ۳ مصرع میں مفقود کو کاٹ دیا وزنی لفظ تھا۔ ہوا کا لفظ برباد ، بٹھا دیا باقی مصرع اچھے تھے رہنے دیئے

تھی خزاں دشت میں بدلی تھی ہوا رنگ تھا اور　　حول دہیبت تھی کہ یہ دیکھتا تھا اُس کو بغور　(۱۹۱)
سب تباہی کی علامت تھی تو بربادی کے طور　　عزل کا اوج تھا اُس فوج میں ادبر جور کا دور
قول آشوب کا تھا یاں ہے ٹھکانا میرا
غدر کہتا تھا کہ ہے آج زمانا میرا

جس طرف جاتے تھے تلوار اٹھا کر شہ دیں　　اوٹ میں ڈھالوں کی منھ اپنا چھپاتے تھے لعیں　(۱۹۲)
ضرب جب پڑتی تھی ہل جاتی تھی مقتل کی زمیں　　ذوالفقار شہ مرداں سے نہ تھا امن کہیں
سر جو دس میں کے ٹاپوں سے کچل جاتے تھے
میمنے والے سوئے میسرہ بھاگ آتے تھے

بند ۱۹۱ ، ۱۹۲ میں کوئی اصلاح نہیں فرمائی۔ بند ۱۹۲ کی بیت سست ہے مگر نہ ایسی کہ بدلی جاتی باقی بند بہت عمدہ ہیں۔

وہ لپک تیغ کی وہ اسپ سبک خیز کی جست　　جس طرف شیر سا آیا ہوئی اُس صف کی شکست
چال ایسی کہ ~~ہو طاؤس جسے دیکھ کے مست~~　　سر بلند ایسا کہ گردوں کا جہاں اوج ہو پست
جسے دیکھ کے طاؤس ہو
ہو سبک کوہ گراں عز ووقار ایسا ہو

راہوار ایسا ہو اور شاہ سوار ایسا ہو

۱۹۳ مصرع میں انھیں الفاظ میں الٹ پھیر کیا جو تھے اور روانی پیدا کر دی کتنی لطیف اصلاح ہے۔

مصنف کا مصرعہ مصرع رہنے دیا۔ کوئی غلطی نہیں صرف شاہوار کی ترکیب اور استعمال قدرے کمی کے ساتھ ہے۔ ذرا کلام میں کم ہے۔

(۱۹۴) تشنگی میں یہ جدال پسر شیر الہٰ تھا تزلزل میں زمانہ تہ و بالا تھی سپاہ
شور برپا تھا فرشتوں میں کہ سبحان اللہ تھی یہ ہاتف کی ندا اے پسر زہرا واہ
یہ وغا اس پہ کہ دو روز کا پیاسا ہے تو
کیوں نہ ہو کس کا پسر کس کا نواسا ہے تو

(۱۹۵) آج کر ناہی مباہات خدائے دوسرا ~~تو ہی فرزند نبی تو ہی امام دوسرا~~
تونے اس ضعف میں پسپا کیا لاکھوں کا پرا
فوج خالی ہوئی لاشوں سے بیاباں کو بھرا ہے یہ تاثیر لعاب دہن خیبر درا
آج شمشیر شجاعت کو جلا دی تونے
ساری طاقت شہ مرداں کی دکھا دی تونے

یہ بند جناب مصنف کا نہیں ہے۔ بڑے میر صاحب نے خود کہہ کے اضافہ فرمایا ہے دوسرا مصرع اس لیے کاٹا کہ قافیہ مکرر ہو گیا تھا یعنی (دوسرا)

(۱۹۶) تجھ سا جرأت میں کوئی ہے نہ کوئی ہمت میں تونے صدقے کیا سب گھر کو مری الفت میں
عصر کا وقت ہے مشغول ہو طاعت میں حلق کو تیغ سے کٹوا کے اب آ جنت میں
صادق القول ہے معبود کا ہے پاس تجھے

آب کوثر سے بجھا پیاس کہ ہے پیاس تجھے

جو ترے دوست ہیں فردوس میں ہے گھر ان کا حشر میں ہوگا نہ غمگیں دل مضطران کا (۱۹۷)
تیرے ماتم میں ہر اک اشک ہے گوہر اُن کا جو تجھے روئیں گے ہے چشمۂ کوثر ان کا
حور و غلماں انھیں اور قصرِ ارم بخشیں گے
جس کو تو بخشے گا بےشک اُسے ہم بخشیں گے

سُن کے یہ شہ نے جھکایا سرِ تسلیم و رضا عرض کی میں ترے اس بندہ نوازی کے فدا (۱۹۸)
نہ ہے فاقوں کی شکایت نہ عطش کی پروا کچھ نہ اولاد کا غم ہے نہ کچھ امت کا گلا
تو مددگار ہے گھر لُٹنے کا کیا دھیان کروں
لاکھ سر ہوں تو میں اس لطف پہ قربان کروں

اوپر کے تینوں بندوں میں کہیں اصلاح نہیں دی بند بہت نفیس ہے کیا کہنا۔

کہہ کے یہ روک لی گھوڑے کی عناں حضرت نے اور رکھی میاں میں تیغِ دوزباں حضرت نے (۱۹۹)
رُخ کیا پھر طرفِ فوجِ گراں حضرت نے ہاتھ اُٹھا کر یہ کیا سب سے بیاں حضرت نے
آؤ آغوشِ محمد کا پلا حاضر ہے
تیغ خنجر کو یہ خشک گلا حاضر ہے
بھیج دو شمر کو

صرف چھٹے مصرع میں ترمیم فرمائی۔ وہ بھی توضیحی ترمیم۔

تول کر تیغوں کو میاں سے جفاکار پھرے جوڑ کے تیر کمانوں میں کماندار پھرے (۲۰۰)
نیزے تانے ہوئے خونخوار جفاکار پھرے ڈر کے جو بھاگ گئے تھے وہ ستمگار پھرے
دلِ آزار

ہوگیا کثرت اعدا سے اندھیرا رن میں
ایک مظلوم کو دو لاکھ نے گھیرا رن میں

چونکہ مصنف کے بند میں تکرار قافیہ ہوگئی تھی یعنی جفا کار۔ لہذا ع۳ مصرع میں (دل آزار) بنا دیا عیب دور ہو گیا۔

(۲۰۱) جسم پر خنجر خونخوار برابر سے چلے نیزہ و تیر جفا کار برابر سے چلے
وار تلواروں کے ہر بار برابر سے چلے سیکڑوں نیزۂ کفار برابر سے چلے
تن سے احمدؐ کے نواسے کا لہو بہنے لگا
دو شب روز کے پیاسے کا لہو بہنے لگا

(۲۰۲) ہوگیا چور تن شاہ زمن زخموں سے جسم پر کھل گیا لالے کا چمن زخموں سے
قلب پر ہونے لگا رنج و الم زخموں سے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے اعضائے بدن زخموں سے
سب تھے مضطر شہ دلگیر کی مظلومی پر
زخم بھی روتے تھے شبیرؑ کی مظلومی پر

(۲۰۳) نیزے کہتے تھے یہ کیا قہر ہے بیداد گرو تیر چلاتے تھے یارو غضب حق سے ڈرو
تیغیں کہتی تھیں کہ اس پیاسے پہ اب رحم کرو ہم کو فرزند پیمبرؐ کے لہو میں نہ بھرو
قابل ظلم و جفا بیکس و دلگیر نہیں
وارث تیغ علیؑ کی کوئی تقصیر نہیں

(۲۰۴) قتل شبیرؑ سے کونین میں تھا حشر بپا جن زمیں پر تو ملک چرخ پہ کرتے تھے بکا
اک طرف سینہ و سر پیٹ رہی تھیں زہراؑ اک طرف چاک گریباں تھے رسولؐ دوسرا
پاس بیٹے کے شہ قلعہ شکن روتے تھے

~~ہائے بھائی مرا کہہ کے حسنؑ روتے تھے~~

چھوٹے بھائی کی مصیبت پہ

اوپر کے چاروں بندوں میں کہیں اصلاح نہیں صرف بند ۲۰۴ کے چھٹے مصرع میں ترمیم فرمائی مصنف کا مصرع بھی صحیح تھا۔ صرف ترقی کے لیے بنا دیا۔

آدم و شیث تھے ہمراہ نبیؐ گریہ کناں — حوریں تھامے ہوئے تھیں بازوئے خاتونِ جناں (۲۰۵)
دیکھ کر حال پسر کہتی تھیں با آہ و فغاں — کس طرح تم کو اس آفت سے بچائے اماں
یہ تمہاری ہی یہ جفا خلق کے محسن کے لیے
دکھ اٹھا کر تمھیں پالا تھا اسی دن کے لیے

اپنے سینے پہ سلاتی تھی یہ مادر تم کو — دھوپ میں سائے سے لاتی تھی نہ باہر تم کو (۲۰۶)
چین زہراؑ نے دیا جاگ کے ~~شب بھر~~ تم کو — چکّی پیسی بھی تو گودی میں لٹا کر تم کو
اکثر
رنج کچھ دل پہ تمھارے کبھی آنے نہ دیا
گھر میں نانا کے بھی تنہا تمھیں جانے نہ دیا

تھا شب و روز تمھاری مجھے راحت کا خیال — ٹوٹتا بال جو گیسو کا تو ہوتا تھا ملال (۲۰۷)
پیرہن کا جو ہوا تنگ گریباں ~~میرے~~ لال — دم مرا گھٹ گیا صدمے سے ہوا رنج کمال
اسے
آج تم خوں میں نہاؤ گے یہ معلوم نہ تھا
برچھیاں جسم پہ کھاؤ گے یہ معلوم نہ تھا

بند ۲۰۵ میں کہیں اصلاح نہیں۔ ۲۰۶ کے تیسرے مصرع میں (شب بھر) کاٹ کے (اکثر) بنا دیا۔ یہ رسمی اصلاح ہے۔ اگر اصلاح نہ بھی فرماتے تو مصرع درست تھا بند ۲۰۷ کے تیسرے مصرع میں (مرے) کاٹ کے (اے) بنا دیا یہ بھی رسمی اصلاح ہے۔ زبان کی ہلکی سی نرمی میں اضافہ کر دیا۔

(۲۰۸) ہائے اے لال یہ مادر تری غربت کے نثار　　تیری اس پیاس کے قربان مصیبت کے نثار
تیری مظلومی کے صدقے تری ہمت کے نثار　　تیری اندوہ کے فدا تیری جراحت کے نثار
ہائے یہ غم یہ صعوبت مرے جانی کے لیے
تین دن گرمی میں ترسا کیے پانی کے لیے

(۲۰۹) سُن کے مادر کی بُکا روتے تھے شاہ دوسرا　　ناگہاں قلب پہ اک نیزۂ بیداد پڑا
خون چھاتی سے جو اُبلا تو عجب حال ہوا　　گر پڑا زین فرس سے پسرِ شیرِ خدا
شور اعدا میں ہوا تشنہ دہن کو مارا
ہاں بجیں طبل کہ سلطانِ زمن کو مارا

(۲۱۰) راوی لکھتا ہے دم قتلِ شہِ جن و بشر　　دشت تھا تیرہ و تاریک بپا تھا محشر
نکلی خیمے سے اک آوارہ وطن کھولے کے سر　　بال بکھرے ہوئے تھے رُخ پہ اِدھر اور اُدھر
آہ جب کرتی تھی دل سینوں میں ہل جاتے تھے
ہاتھ بھی کانپتے تھے پاؤں بھی تھراتے تھے

بند ۲۰۹ میں بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ شہادت نظم نہیں فرمائی مختصراً اشارہ فرما دیا۔ بند اچھے تھے کہیں اصلاح نہیں دی۔ راوی کی دیا) تقطیع میں گر گئی اس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

شان و شوکت تھی علیؑ کی تو محمدؐ کا جمال ~~غم سے کاہیدہ~~ تن زار تھا مانند ہلال (۲۱۱)

۲ تن خمیدہ تھا غم و رنج سے

۳ یوں تڑپتی تھی بصد درد جو زخمی کا جلال ۲ ہوش پردے کا نہ مطلق تھا نہ چادر کا خیال

اس کی فریاد سے دل کون سے بے چین نہ تھے

تیز چھریاں تھیں کلیجوں کے لیے بین نہ تھے

بند مصرع ۲ میں اصلاح فرمائی (تن خمیدہ تھا غم و رنج سے) لاجواب مصوری فرمائی ہے ۲ مصرع کو ۳ کر دیا ۳ مصرع کو ۲ کر دیا۔

ہاتھ اٹھائے کبھی جاتی تھی ادھر گاہ ادھر کبھی گر پڑتی تھی اٹھتی تھی کبھی پیٹ کے سر (۲۱۲)

لڑکی اک چھوٹی سی ہمراہ تھی پہنے گوہر ہائے بھائی جو وہ کہتی تھی تو یہ ہائے پدر

لب پہ ~~تھا راہ مقتل~~ کا بتا دے کوئی

یہ تھا مجھے مقتل کا پتا

~~مجھ کو شبیر کے لاشے پہ~~ گرا دے کوئی

کس طرف لاش ہے للہ بتا

بیت میں اصلاح فرمائی۔ مصنف کی بیت میں مصرع الگ الگ تھے۔ اصلاح کے بعد دونوں مصرعوں میں تعلق خاص پیدا ہو گیا۔ جو ضروری تھا۔

اے مسافر تری مظلومی کے خواہر ہو فدا کس طرف لوٹتے ہو خوں میں وہ ہے کون سی جا (۲۱۳)

کیا بنی ہے کہ جو دیتے نہیں بھینا کو صدا میرے عاشق مرے سید مرے بیکس بھیا

کوئی زینب کی خبر بھی نہیں لیتا بھائی

اب کچھ آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا بھائی

(۲۱۴) سن کے زینبؑ کی یہ آواز پکارے سرورؑ — کس طرف پیٹتی جاتی ہو بہن ہم ہیں ادھر
~~لب میں ہیں موت کے ہم تم تلک آئیں کیونکر~~
ہے گلو گیر اجل — شمر ہے سینۂ زخمی پہ گلے پہ خنجر
سن کے آواز بکا اور جگر پھٹتا ہے
گھر میں تم جاؤ ہمارا تو گلا کٹتا ہے

بند ۲۱۳ میں کہیں اصلاح نہیں ۲۱۴ کے تیسرے مصرع میں ترمیم فرمائی مصنف کا یہ مصرع (بھلا نہ لگا (لب میں ہیں موت کے ہم) یہ جناب سید الشہدا کی زبان سے نامناسب معلوم ہوا یوں بدل دیا (ہے گلو گیر اجل) اس عہد میں بعض خاندانوں میں (تلک) استعمال ہوتا تھا بکثرت اساتذہ ترک کر چکے تھے۔

(۲۱۵) ہائے زینبؑ یہ برادر تری غربت کے فدا — روح کو کرتی ہے بے چین سکینہؑ کی صدا
تن سے خوں بہتا ہے سر جسم سے ہوتا ہے جدا — اوٹھ کچھ کرو سکینہؑ کی طرف بہر خدا
نہ تڑپ زانوئے جلّاد پہ سینہ دیکھے
ذبح ہوتے ہوئے مجھ کو نہ سکینہ دیکھے

اس بند میں تین مقام پر لفظ سکینہ آیا۔ اصلاح کہیں نہیں دی بند بہت عمدہ ہے

(۲۱۶) سن کے یہ دوڑی برادر کی طرف زینبؑ زار — بولی ناشاد سکینہؑ کہ میں بابا کے نثار
پہونچی لاشے کے جو نزدیک بہ چشم خونبار — شمر کے ہاتھ میں دیکھا سر شاہ ابرار
رو کے چلائی کہ میں آنے نہ پائی ہے ہے
ہو گئی شہ کے تن و سر کی جدائی ہے ہے

(۲۱۷) ہائے اے کشتۂ خنجر یہ ہوا کیسا ملال — تم سے ملنے بھی نہ پائی یہ بہن سوختہ جاں

پیش کریہ جو کیا زینبؑ بیکس نے بیاں ✦ اشک جہرے پہ ہوئے دیدۂ شبیرؑ سے رواں
بیٹے تو دختر دلگیر کی جانب دیکھا
پھر عجب یاس سے ہمشیر کی جانب دیکھا

(مقطع)

(۲۱۸) بس نفیس اب کہ بپا مجلس میں ہوا شور و شین ✦ بات کی تاب نہیں سینے میں دل ہے بے چین
عرض کر شہ سے کہ اے ابن شہ بدر و حنین ✦ ہو مری نظم بھی مقبول امام کونین
آبرو خلق میں اے بحر عطا پاؤں میں
جلد اس اپنی مشقت کا صلا پاؤں میں

مسلسل آخری چار بندوں میں کہیں اصلاح نہیں ہوئی۔ اتنا بے نظیر مرثیہ جو اتنی خوبیوں کا حامل ہو اہل نظر کی نظر سے کم گزرا ہوگا۔ خداوند عالم ان کی محنتوں کا صلہ ان کو دے اور میری کاوشوں کا اجر مجھے بھی مرحمت فرمائے۔ اور یہ سلسلہ تصنیف و تالیف جاری رہے۔ میری کمزوریوں سے اہل نظر چشم پوشی فرمائیں۔

تمت بالخیر

خیر طلب مہذب لکھنوی

۵ر اگست ۱۹۵۴ء

ادھر دیکھئے

صدرِ انجمن محافظ اردو حضرت مہذب کے زریں خدمات سے فائدہ اٹھانے کی سہل صورت یہ ہے کہ مختصر فہرست دیکھ کر دفترِ انجمن مذکور سے مفصل و مکمل فہرست طلب فرمائیے اور جلد سے جلد فرمائش بھیج کے کتابیں طلب فرمائیے تاجران کو ۳۳ فیصدی کمیشن دیا جاتا ہے خرچہ ڈاک بذمہ خریدار ہے۔ ہر شاعر کے تخلص پر کتاب کا نام رکھا گیا ہے۔ سب کا کلام غیر مطبوعہ ہے۔

نمبر شمار		قیمت	روپیہ	نمبر شمار		قیمت	روپیہ
۱	افکارِ تعشق جلد اوّل	/	۲ روپیہ	۱۳	گلستانِ رشید یعنی دیوانِ رشید	/	۱۲عہ
۲	گلزارِ رشید جلد اوّل	/	۲ روپیہ	۱۴	آئینہ نظم آزاد	/	عمر
۳	وقارِ انیس جلد اول	/	۲ روپیہ	۱۵	افکارِ تعشق جلد دوم	/	۲ روپیہ
۴	شعارِ نجیب جلد اول	/	۲ روپیہ	۱۶	دیوانِ مصحفی	/	۲ روپیہ
۵	معیارِ کامل جلد اوّل	/	۲ روپیہ	۱۷	مختارِ وحید کلام میر وحید	/	۲ روپیہ
۶	بازارِ سخن جلد اوّل	/	۲ روپیہ	۱۸	وقارِ انیس جلد دوم	/	۲ روپیہ
۷	بہارِ مؤدب جلد اوّل	/	۲ روپیہ	۱۹	دورِ تعشق حالاتِ تعشق	/	۱عیر
۸	اذکارِ محسن جلد اوّل	/	۲ روپیہ	۲۰	دورِ شاعری یہ کتاب (۳۰۸) صفحات		
۹	آثارِ عشق جلد اوّل	/	۲ روپیہ		کی ہے بہترین کاغذ عمدہ طباعت شاعروں		
۱۰	نگارِ نفیس جلد اوّل	/	۲ روپیہ		کے لیے انتہائی ضروری ادبی لاجواب کتاب		
۱۱	مراثی میر تقی میر ۳ عدد مجلد	/	۳ روپیہ		مجلد پانچ روپیہ		
۱۲	اسرارِ محن	/	۲ روپیہ		غیر مجلد للعہ		

المشتہر محافظ اردو بکڈپو منصور نگر

نیا محل لکھنؤ

"ہمیں حضور کے وعدے کا اعتبار نہیں"

آپ سے عرض کر رہے ہیں جی ہاں آپ سے عرض کر رہے ہیں آپ کو تو خدا نے مقدرت دی ہے۔ انجمن محافظ اُردو نیشنل کرٹایاں (یعنی کتابیں) آپ کی خدمت میں پیش کر چکی ہے۔ آپ نے ایک پیسہ چندے کا اب تک نہیں مرحمت فرمایا۔ واہ کیا آپ کی ادب نوازی۔

عالی جناب آپ سے عرض ہے وہ یہ کہ آپ پر چندہ باقی ہے۔ وہ کسی قدر بھی۔ ادھر چونکہ متعدد کارڈ آپ کی خدمت میں حاضر کئے جا چکے ہیں۔ آپ توجہ ہی نہیں فرماتے۔ کیا کوئی ادارہ بغیر پیسے کے چل سکتا ہے معاف فرمائیے گا یہ بے حسی ہے۔ وہ ادارے اچھے جو پیشگی چندہ وصول کر کے ہضم کر جاتے ہیں اور آپ راستہ ہی دیکھا کرتے ہیں۔ واقعاً دیانت سے کام کرنے والوں کی کوئی قدر نہیں۔

چندہ جلد سے جلد روانہ فرمائیے

(از ادارہ)